عبدالمجید صدیقی

ادارۂ ادبیات اردو

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اُردو شمارہ ۶۱

مقدمۂ تاریخ دکن

از

عبدالمجید صدیقی

ایم اے۔ ایل ایل بی۔ استاد تاریخ جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۹۴۰ع

ناشر

ادارۂ ادبیاتِ اُردو۔ خیریت آباد حیدرآباد دکن

قیمت

فہرست مضامین

خاتمہ کر دیا تو ۱۸۰۰ء ۱۲۲۵ھ میں کڑپہ اور کرنول کے ساتھ شاہ نور بھی انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ ابوالخیر خاں ۱۸۲۰ء ۱۲۴۳ھ میں نواب ہوا اس کے بعد عبدالفیاض خاں اور منور خاں اور دلیر خاں دلیر جنگ مسند نشین ہوئے اور ان کے جانشین اب تک شاہ نور میں حکمراں ہیں۔

اس چھوٹے سے رسالے میں ان تمام شاہی خاندانوں کو شجروں کے ذریعے روشناس کرنے کی کوشش کی گئی ہے جنہوں نے قدیم وسطی اور زمانہ حال میں سطح مرتفع دکن پر حکمرانی کی تاکہ ایک نظر میں زمانہ قدیم سے لے کر زمانہ حال تک تاریخ دکن کا ایک سرسری خاکہ ذہن میں آجائے اور اس کو تاریخ دکن کا ایک نقش اول سمجھنا چاہئے جو اس کے بعد تفصیل سے لکھی جائے گی شجروں سے پہلے ایک مقدمہ میں ایک سرسری تاریخ پیش کی گئی ہے جس سے ابتدائی زمانے سے جبکہ اس ملک کی تاریخ روشنی میں آتی ہے موجودہ زمانے تک تاریخ کی تمام منزلیں اور مدوجزر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور شاہی خاندانوں کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے ورنہ بغیر اس وضاحت کے شاند شاہی خاندانوں کا صحیح ماحول اور ان کا سیاق وسباق اچھی طرح سمجھ میں نہ آتا

شاہی خاندانوں سے متعلق معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کس زمانے کے آفریدہ تھے اور ان کے پہلے اور بعد کیا حالات پیش آئے شجرے بڑی حد تک مکمل ہیں اور موجودہ تحقیق کی روشنی میں تاریخی تسلسل کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں ان شجروں میں بادشاہوں کے ساتھ ان کے قریبی رشتہ دار مثلاً بھائی بیٹے بیٹیاں بھی ہیں اگرچہ یہ بادشاہ نہیں ہوئے لیکن ان سے سکتیں ضرور متاثر ہوئیں تمام بادشاہوں کے نام نہ صرف نشان سلسلہ کے ذریعہ واضح کر دیے گئے ہیں تاکہ ان کا صحیح تسلسل معلوم ہو بلکہ بادشاہوں اور راجگان کے نام کے ساتھ سنہ جلوس اور سنہ وفات بھی درج ہے جن سے ان کی مدت حکومت معلوم ہوتی ہے ہر شجرے کے ساتھ ضروری وضاحت بھی ہے

آخر میں پروفیسر حسین علی خاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جو اس تالیف کے محرک ہیں پروفیسر صاحب موصوف نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ میں ان کے لیے سلاطین دکن کے شجرے تیار کر دوں جب یہ شجرے تیار ہو گئے تو خیال کیا گیا

کہ اگر یہ شجرے ایک رسالے میں شایع ہو جائیں تو اچھا ہے تاکہ عام لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ موصوف کی یہ خواہش آج اس رسالے کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہے۔ دکن کے قدیم راجگان کی تحقیق میں ڈاکٹر ہیمنت راؤ صاحب ایم اے پروفیسر کنڑی جامعہ عثمانیہ سے بہت مدد ملی جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے او شجروں کی تیاری میں عبد الحفیظ صدیقی صاحب بی ایس سی عثمانیہ نے بہت مدد دی۔

صدیقی

حمایت نگر روڈ
فروری ۱۹۴۲ء

مقدمہ

دکن جو سنسکرت لفظ دکشن کی بگڑی ہوئی شکل ہے اس سطح مرتفع کا نام ہے جو جنوب ہند میں دریائے تاپتی کے جنوب سے شروع ہو کر دریائے تنگبھدرا تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ دکن یا دکشن کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور اس سے مراد تمام جنوب ہندوستان ہونا چاہئے اور قدیم مفہوم یہی تھا کیونکہ جب آریا ہندوستان میں آئے تو انھوں نے ہندوستان کی تمام جنوبی سرزمین کو جو بندھیاچل کے پہاڑوں سے راس کماری تک پھیلی ہوئی ہے دکشن کے نام سے موسوم کر دیا اور ظاہر ہے کہ اس اصطلاح میں کوہ بندھیاچل یا دریائے نربدا سے لے کر راس کماری تک تمام جنوبی ہندوستان داخل تھا اور قدیم زمانے میں دکشن سے یہی مفہوم لیا جاتا تھا یعنی اس میں نہ صرف وہ سطح مرتفع داخل تھی جو دریائے تنگبھدرا تک واقع ہے بلکہ جنوب تنگبھدرا کے کیرلا اور تامل علاقے بھی شامل تھے۔ چنانچہ سلطنت چالوکیہ کے مشہور راجہ پلکیسن دوم نے کہا تھا کہ میں تمام دکشنا پتیہ کا حکمران ہوں اور اس سے مراد دکن کی سطح مرتفع کے علاوہ راس کماری تک تمام تامل علاقے بھی تھے کیونکہ جنوب کی پانڈیا چولا اور کیرلا والی تمام طاقتیں اس کی باجگزار تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا دکن کے معنی محدود ہوتے گئے سلطنت چالوکیہ کے زوال کے بعد جب مسلمان یہاں آئے تو وہ صرف سطح مرتفع کو ہی دکشن کے نام سے موسوم کرتے لگے چنانچہ اس زمانے کے مورخوں نے صرف اسی سرزمین کو جو دریائے تنگبھدرا تک واقع ہے دکن اور اس سرزمین کے باشندوں کو دکھنی کہا۔ فرشتہ نے بہمنی سلاطین اور ان کے جانشینوں یعنے عادل شاہی، نظام شاہی اور قطب شاہی سلاطین کو دکھنی سلاطین کہا ہے۔ اور دریائے تنگبھدرا کے جنوب کا

کوئی ذکر نہیں کیا اور فرشتہ کے بعد جو تاریخیں لکھی گئیں وہ سب اسی مفہوم کی پیروی کرتی ہیں[1]۔ چنانچہ اب دکن اس سرزمین کو کہتے ہیں جو دریائے تاپتی کے جنوب سے یعنی بالاگھاٹ سے دریائے تنگبھدرا تک پھیلی ہوئی ہے اگرچہ قلعہ اسیرگڑھ اس کا دروازہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہاں سے دکن کی شاہراہ شروع ہو جاتی ہے لیکن اصل دکن بالاگھاٹ سے شروع ہوتا ہے یہ ایک بڑی سطح مرتفع ہے جس کے شمال میں پین گنگا، وردہا اور گوداوری اور اس کے جنوب میں کرشنا اور تنگبھدرا جیسی بڑی ندیاں بہتی ہیں اور اس کے مغرب و مشرق میں پہاڑوں کے طویل سلسلے ہیں جو سمندر کے متوازی راس کماری تک چلے گئے ہیں اور یہ مشرقی اور مغربی گھاٹوں کے نام سے موسوم ہیں لیکن ایک پرانی روایت کے مطابق اس سطح مرتفع کے ساتھ جنوب تنگبھدرا کا علاقہ بھی جو اب ریاست میسور میں واقع ہے دکن میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح گر اس کے مفہوم کو پرانی روایات کے ساتھ پھیلایا جائے تو اس میں دریائے کاویری تک تمام کرناٹک بھی داخل ہو جاتا ہے اور اب اس کے بعد راس کماری تک جو جنوبی سرزمین ہے اور جہاں تامل یا ملایالم زبانیں بولی جاتی ہیں اس کو جنوب ہند کہتے ہیں[2] اور اب اس پر دکن کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دکن کا قدیم دور زمانہ قدیم سے شروع کر کے جب سے دکن کی تاریخ روشنی میں آئی ہے دکن کی سرزمین میں بے شمار خاندانوں نے حکومت کی اور اپنے تمدن کا بڑا سرمایہ چھوڑا۔ دکن کا قدیم زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ دراوڑی قوموں نے یہاں جنم لیا۔ اس زمانے کا تعین بہت مشکل ہے۔ یہ بہت قدیم زمانہ ہے

---

[1] تمام مغل مورخ بھی اسی حصہ کو دکن کہتے ہیں اور زمانۂ حال کے ایک مشہور مورخ ونسنٹ اسمتھ نے اپنی تاریخ قدیم ہندوستان میں دکن کی یہی تعریف کی ہے۔ اور اس عنوان کے تحت اس نے صرف انھیں سلطنتوں کا ذکر کیا ہے جو دکن میں سلط تھیں تاریخ ہندوستان قدیم از اسمتھ ۔

[2] دکن کی مشہور تاریخ جو تاریخ جنوب ہند کے نام سے موسوم ہے اسی جنوبی سرزمین کی تاریخ پیش کرتی ہے اس میں دکن کا ذکر نہیں ہے اس کے مماثل اردو میں ایک اور فاضلانہ تاریخ شایع ہوئی ہے جس کا نام تاریخ جنوبی ہند ہے۔ اس کے مؤلف محمود خاں صاحب محمود ہیں۔

جو آریوں کے ہندوستان آنے سے کئی ہزار سال پہلے پایا جاتا ہے اور دراوڑی قومیں جس طرح ہندوستان میں حکومت کرتی تھیں اسی طرح دکن میں حکومت کرنے لگیں۔ غالباً ایک زمانہ ایسا گزرا ہوگا جب کہ شمال و جنوب ایک ہی دراوڑی شہنشاہیت میں منسلک تھے لیکن جب شمال میں آریا آئے اور دراوڑی قوموں کو مغلوب کر دیا تو یہ تمام قومیں دکن اور جنوب ہند میں سمٹ آئیں اور مغرب کو اپنا گہوارہ بنا لیا چنانچہ اب یہ دکن اور جنوب ہند کی قومیں سمجھی جاتی ہیں حالانکہ یہ ایک زمانے میں تمام ہندوستان میں چھائی ہوئی تھیں۔ ابھی بیس سال پہلے تک ان قوموں سے متعلق صحیح معلومات نہ تھے بلکہ یہ عام غلط فہمی تھی کہ یہ قومیں آریاؤں کے آنے سے پہلے غیر مہذب تھیں اور آریاؤں نے ان کو تہذیب سکھائی لیکن وادی سندھ کی کھدائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں کی شائستگی آریوں سے زیادہ قدیم ہے۔ جیسے دارو اور ہڑپا کے قدیم آثار اس بات کے شاہد ہیں کہ خود دراوڑیوں نے آریوں کو تہذیب کا سبق سکھایا تھا اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ دراوڑی تمدن دکن میں بھی ہوگا اس وجہ سے دکن کا تمدن جس کے شمع بردار دراوڑی قومیں ہیں بہت قدیم ہے جس کی آج سے ہزاروں سال پہلے بنیاد پڑ چکی تھی لیکن یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ سب سے پہلے کس جگہ اس کی بنیاد پڑی اور کس قبیلے نے اس کی ابتدا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برار کے زرخیز میدانوں میں اس تمدن کی بنیاد پڑی تھی۔ بات یہ ہے کہ جس طرح آریاؤں نے اپنی کوئی تاریخ نہیں لکھی اسی طرح دراوڑی قوموں نے بھی اپنا کوئی تحریری مرقع نہیں چھوڑا۔ سب سے پہلے راجہ اشوک کے عہد میں جو تیسری عیسوی ق م میں حکومت کرتا تھا دکنی تمدن کی چند دھندلی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ چونکہ دکن بھی اس جلیل القدر راجہ کا حلقہ بگوش تھا اس لیے اس راجہ نے دکن کے مختلف حصوں میں اپنے فرامین کندہ کرائے تھے چنانچہ اس کے یہ کتبات جوگدا۔ ماسکی۔ کپل۔ چلدرگ[۲] میں دریافت ہوئے ہیں۔

---

[۱] ان قدیم دراوڑیوں کو "مول دراوڑی" سے موسوم کیا جا سکتا ہے جس کے معنی اصل دراوڑی کے ہوتے ہیں جس کی زبان مول دراوڑی تھی چنانچہ موجودہ دراوڑی زبانیں یعنی تامل۔ کنڑی۔ تلنگی۔ ملیالم وغیرہ اسی سے مشتق ہیں۔

[۲] جوگدا گنجام سے ۱۸ میل جانب شمال ماسکی ضلع رائچور میں کپل دریائے تنگبھدرا پر اور چلدرگ ریاست میسور میں واقع ہیں۔ کپل نواب سالار جنگ بہادر کی جاگیر سے۔

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مقامات دکنی تمدن کے مرکز تھے اور یہاں بڑی آبادیاں تھیں اور راجہ اشوک کا مقصد یہ تھا کہ ان مقامات کے رہنے والے اس کے پیش بہا ہدایتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ غالباً تاریخ و تمدن دکن کا یہ سب سے پہلا وثیقہ ہے اور یہ دور آثار سے اس تاریخ کی ابتدا کرنی پڑتی ہے کیونکہ اس کے پہلے یہ چیز تاریکی میں ہے۔

آندھرا خاندان تیسری صدی عیسوی میں جب کہ شمال ہندوستان میں راجہ اشوک کی شہنشاہیت پھیلی ہوئی تھی دکن میں ایک خاندان حکمران تھا جس کو آندھرا خاندان کہتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندھیاچل کے دامن میں ان کی ابتدائی عملداری تھی لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ موجودہ تلنگانہ کے رہنے والے تھے جہاں اب تلنگی زبان بولی جاتی ہے۔ راجہ اشوک کے عہد میں جس کا ہندوستان کے تمام طول و عرض میں سکہ چلتا تھا یہ آگے نہیں بڑھ سکے۔ غالباً اس زمانے میں یہ سلطنت موریا کے باجگزار تھے کیونکہ اشوک کے ایک کتبے میں ان کا ذکر آتا ہے لیکن راجہ اشوک کے انتقال کے بعد جو ۲۶۹ق م میں ہوا تھا ان کو پوری طور پر ترقی کا موقع مل گیا اور یہ بالآخر اتنے پھیلے کہ تمام دکن پر چھا گئے اور چند روز کے لئے مگدھ پر بھی قابض ہو گئے پٹن جو دریائے گوداوری پر واقع ہے ان کا پائے تخت تھا[۱]۔ یہ بہت بڑا خاندان ہے جس کے تیس راجاؤں نے کوئی ساڑھے چار سو سال دکن پر حکومت کی تھی اور سچ پوچھو تو یہ دکن کا سب سے بڑا خاندان ہے جس نے اس قدر طویل حکومت کی لیکن افسوس یہ ہے کہ چند کتبات سکّے اور ٹوٹے پھوٹے آثار کے سوا ان کی کوئی تاریخ نہیں معلوم ہوتی تاہم یہ قرین قیاس ہے کہ اپنے طویل دور حکومت میں جبکہ تمام دکن پر ان کی شہنشاہیت چھائی ہوئی تھی اس خاندان نے دکن کی بڑی تمدنی خدمت کی تھی اور بعد کے آنے والوں کے لیے تمدن وسیاست کا بڑا سرمایہ چھوڑا۔

---

[۱] پٹن اس وقت موجودہ اورنگ آباد سے ۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ضلع اورنگ آباد سے اس کا تعلق ہے دریائے گوداوری پر واقع ہونے کی وجہ سے اس کا موقع محل بہت اچھا ہے اور اس وقت بھی آباد ہے۔

آندھرا سلطنت کے زوال کے بعد جو تقریباً ۲۳۶ عیسوی میں ختم ہو گئی ڈاکٹر بھنڈارکر کے الفاظ میں آیندہ تین صدیوں کی تاریخ بالکل تاریکی میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آندھروں کے خاتمے کے بعد پھر دکن میں کوئی بڑی سلطنت قائم نہیں ہوئی بلکہ یہ ملک کئی راجدھانیوں میں بٹ گیا چنانچہ بعض ذرایع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کنارا میں کدمبا قبیلہ اور شمال مغربی دکن میں رٹا قبیلہ حکومت کرتا تھا۔ یہ وہ قبیلے ہیں جنھوں نے بالآخر آندھرا خاندان کا خاتمہ کر دیا اور ان کی بڑی سلطنت آپس میں بانٹ لی۔ لیکن ان قبیلوں کی کوئی واضح تاریخ دستیاب نہیں ہوتی صرف کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۴۴ء سے ۵۶۵ء تک کدمبا قبیلے کے گیارہ راجگان نے حکومت کی۔

چالوکیہ خاندان

صحیح تو یہ ہے کہ دکن کی واضح تاریخ ۵۵۰ء سے شروع ہوتی ہے جبکہ دکن کی مشہور سلطنت چالوکیہ قایم ہوئی۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ اس خاندان کے بانی راجپوت تھے اور شمال سے آئے تھے لیکن کرناٹک میں جہاں ان کا پایۂ تخت واتاپی[1] تھا ایسے گھل مل گئے کہ دکھنی ہو گئے چونکہ یہ کنڑی زبان بولتے اور اس کی سرپرستی کرتے تھے اس لئے ان کو کنڑی یا کرناٹکی کہنا بیجا نہیں ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہ سلطنت بہت پھیل گئی۔ کرشنا اور گوداوری کے درمیان اس خاندان کی ایک اور شاخ جہاں اس کو صوبہ داری دی گئی تھی خود مختار ہو گئی۔ اس مشرقی سلطنت کے حکمران مشرقی چالوکیاں کہلاتے ہیں۔ اس مشرقی اور مغربی چالوکیہ خاندانوں نے ۷۵۳ء تک دو صدی کے دوران میں دکن کی بڑی خدمت کی۔ اس کا ثبوت کنڑی زبان کے ادب سے ملتا ہے اور چینی سیاح ہیون تسانگ نے جو ۶۴۱ء میں واتاپی اور ناسک آیا تھا اس سلطنت کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس خاندان کے بادشاہوں نے مسلسل حکومت کی چو تھے راجہ پلکس ثانی نے ۶۲۰ء میں شمال کے راجہ ہرش کو دریائے نربدا پر سخت شکست دی اور اس کو دریائے نربدا سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔

---

[1] یہ بیجاپور کے جنوب میں پچاس یا ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس وقت اس کو بادامی کہتے ہیں اور ایک چھوٹا قصبہ رہ گیا ہے۔

راشٹراکٹ خاندان لیکن ۷۵۳ء میں ایک نئے قبیلے کے ہاتھوں جس کا نام راشٹراکٹ بتایا جاتا ہے چالوکیہ خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور دکن کی عنان حکومت اس قبیلے کے ہاتھ میں آگئی۔ اس قبیلے کا تعلق قدیم رٹا قبیلے سے سمجھا جاتا ہے جو ابھی بحث طلب ہے۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ راشٹراکٹ راجگان شمالی دکن کے رہنے والے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ چالوکیوں کی طرح یہ بھی کنڑی زبان کے سرپرست تھے اور ان کی تمام تر معاشرت کرناٹکی تھی اس لیے ان کے کرناٹکی ہونے میں بہت کم شبہہ ہوتا ہے ملکھیڑان کا پائے تخت تھا جو اب موجودہ واڑی سے بہت قریب ہے۔ یہ دکن کا بہت بڑا خاندان تھا جس کے بیس راجگان نے ۹۷۳ء تک دوسو سال سے زیادہ حکومت کی او دکن کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ایلورا کے اکثر غار اس خاندان کے دوران حکومت میں تیار ہوئے تھے سلیمان نامی ایک عرب سیاح نے جو راشٹراکٹ راج میں ملکھیڑ آیا تھا اس سلطنت کی بڑی تعریف کی ہے۔ لیکن ۹۷۳ء میں قدیم چالوکی قبیلے نے جس کے افراد ابھی زندہ تھے راشٹراکٹوں کا خاتمہ کردیا اور کلیانی کو اپنا پایۂ تخت بناکر اپنی پرانی سطوت قائم کردی اور یہ ثابت کردیا کہ دکن گویا چالوکیوں کا حصہ ہے۔

چالوکیان کلیانی چالوکیوں کے اس دوسرے دور میں جو چالوکیان کلیانی کہلاتے ہیں دکن کو بہت فروغ ہوا اور کلیانی کو اس بات کا فخر ہے کہ یہاں بڑے بڑے علمی کام بھی ہوئے اور علما کی سرپرستی کی گئی اس خاندان کا مشہور راجہ بکرماجیت ہے جس نے اپنے سنہ جلوس سے ایک نیا سنہ رائج کیا تھا جس کو چالوکی وکرماشک کہتے ہیں اگرچہ ۱۱۵۶ء میں ایک اور قبیلے نے جس کا نام کلچوری تھا چالوکی راجہ کو ہٹاکر سلطنت پر قبضہ کرلیا لیکن چالوکی افراد نے پھر قوت بڑھائی اور پرانے خاندان کو ۱۱۹۰ء تک زندہ رکھا۔ اس خاندان کے تقریباً ۱۲ راجہ گزرے ہیں۔ ۱۱۹۰ء میں چالوکیہ راجگان اس قدر کمزور ہوگئے کہ یہ اپنی وسیع سلطنت نہیں سنبھال سکے ۔ چنانچہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اس سلطنت کے صوبہ داروں نے سلطنت آپس میں بانٹ لی دکن کے شمالی مغربی حصے میں جو اب

مہاراشٹر کہلاتا ہے یادو خاندان قابض ہو گیا جس کا پایۂ تخت دیوگری تھا یہ اب دولت آباد کہلاتا ہے۔ مشرقی حصے میں جو تلنگھانہ کہلاتا ہے کاکیتا خاندان مسلط ہو گیا جس کا پایۂ تخت ورنگل تھا۔ اور جنوب دکن میں جو کرناٹک ہے ہوے سل خاندان قابض ہو گیا جس کا پایۂ تخت دوارسمدر[1] پور تھا۔ ان تینوں خاندانوں نے مسلمانوں کے دکن میں آنے تک تقریباً ایک صدی تک حکومت کی یادو خاندان کے سات، کاکیتا خاندان کے وکس اور ہوے سل خاندان کے گیارہ راجگان گزرے ہیں اور بالآخر مسلمانوں نے چودھویں صدی کے اوائل میں تمام دکن پر قبضہ کر لیا۔

دکن وسطی دور چودھویں صدی عیسوی اور آٹھویں صدی ہجری کے اوائل سے جب کہ شمالی مسلمان حملہ آور دکن میں آ گئے دکن کا وسطی دور شروع ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں دکن کی قدیم راجدھانیاں ایک ایک کر کے اس شمالی سیلاب میں بہہ گئیں۔ اس وقت شمال میں مسلمانوں کو مسلط ہوئے سو سال ہو گئے تھے اور جب یہ خلجیوں کے زمانے میں شمال کے دار و گیر سے بالکل فارغ ہو گئے تو دکن اور جنوب ہند کو بھی مسخر کرنا چاہا چنانچہ بندھیاچل اور ست پڑا کے غیر مانوس راستوں سے جہاں سوائے جنگل اور وحشی قبائل کے تمدن کے کوئی آثار نہ تھے[2] خلجی حملہ آور دکن کی سطح مرتفع پر آ گئے۔

علاؤالدین خلجی کا پہلا حملہ ۱۲۹۴ء اور ۶۹۴ھ میں ہوا تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلمان حملہ آور بھی سب سے پہلے ایلچپور میں آ کر جو برار کا مرکز تھا ٹھیرے اور اس جگہ اپنا پڑاؤ ڈالا جس کو دراوڑی تمدن کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ حملہ تو اس قدر نتیجہ خیز نہیں تھا جس قدر سمجھا جاتا ہے لیکن اس کے بعد علاؤالدین کے

---

[1] اس کو مسلمان مورخ دوارسمودر کہتے ہیں۔ یہ موجودہ ریاست میسور کے شمالی ضلع ہیبلے بید میں واقع ہے۔
[2] اس زمانے میں بندھیاچل میں جو شہر جبلپور اور ست پڑا میں شہر برہانپور واقع ہیں وہ مسلمانوں کے آباد کیے ہوئے ہیں۔ خلجیوں کے حملے کے زمانے میں یہاں کوئی آبادی نہ تھی۔

جنرل ملک کافور نے ۱۳۱۲ء میں دیوگری کا خاتمہ کر کے اس کو شمالی سلطنت سے ملحق کر لیا اور اس کی رہی سہی طاقتیں مبارک شاہ خلجی نے ۱۳۱۸ء میں ختم کر دیں۔ جب تغلق خلجیوں کے جانشین ہوئے تو انھوں نے ۱۳۲۳ء میں ورنگل کا خاتمہ کر کے دیوگری کی طرح اس کو بھی شمال کا ایک صوبہ بنا دیا اب رہی کرناٹک کی راجدھانی تو وہ اور اس کی ہمسایہ کمپلی دونوں سلطان محمد تغلق کے ہاتھوں ۱۳۲۸ء میں ختم ہوگئیں اور اس طرح سے تمام دکن سلطنت دہلی میں ضم ہوگیا۔ یہاں شمال کے گورنر حکومت کرنے لگے چنانچہ محمد تغلق کے عہد میں قتلغ خان اور اس کا بھائی ملا نظام الدین مشہور گورنر تھے جنکے قلعہ دولت آباد کے قریب آثار پائے جاتے ہیں لیکن اس پھیلاؤ سے جس میں نہ صرف دکن بلکہ مدورا تک تمام جنوب ہند شامل تھا دہلی کی ایک عظیم الشان سلطنت ہوگئی اور اس زمانے کے ذرائع حکومت اس کے متحمل نہیں ہوتے تھے اور مرکزی حکومت ان بعید مقبوضات سے بہت دور پڑتی تھی۔ ان مشکلات پر غور کر کے سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء اور ۲۸ء میں دیوگری کو جس کا نیا نام اس وقت دولت آباد کر دیا گیا تھا ہندوستان کا پائے تخت بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکا! اگر اس وقت بجائے دہلی کے دولت آباد تمام ہندوستان کا پائے تخت ہو جاتا تو شائد دکن اور جنوب ہند دہلی سے علٰحدہ نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ سلطان محمد تغلق کی مرکزی حکومت اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ وہ اپنی بڑی سلطنت کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی ساتھ دکن اور جنوب ہند بھی دہلی کی گرفت سے باہر ہوگئے۔

سلطنت بیجانگر

جنوب میں سب سے پہلے مدورا کا صوبہ دار جلال الدین باغی ہوگیا اور چند روز کے بعد ہی تنگبھدرا کی وادی میں بڑے زور سے سیاسی ہلچل شروع ہوگئی دکن کی جن ہندو طاقتوں کو خلجی اور تغلق فاتحوں نے مغلوب کیا تھا وہ پھر اپنے بچاؤ کے لئے جمع ہونے لگیں اور مسلمان حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لیے ایک بڑی طاقت کھڑی کر دی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

ہری ہر اور بُکّ جو اس سیاسی تحریک کے علمبردار ہیں اور جنھوں نے دیکھتے دیکھتے تنگبھدرا کی وادی میں
بجیانگر کے نام سے ایک نئی سلطنت قایم کر دی ورنگل سے آئے تھے اور راجہ گنپتی کے ملازم تھے۔
لیکن قرائن یہ ہیں کہ یہ دونوں بھائی جو بجیانگر کے اصل بانی ہیں کرناٹک کے رہنے والے تھے اور
اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہ لوگ اور ان کے باپ دادا اناگندی میں حکومت کرتے تھے اور
ہوے سل خاندان کے ماتحت بلکہ صوبہ دار تھے کیونکہ بعض کتبوں میں ان کو مہامنڈلیشور کہا گیا ہے جس کے
معنی صوبہ دار کے ہوتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ہندو اتحاد کے اصل روح رواں دو
بڑی شخصیتیں ہیں ایک ہوے سل خاندان کا آخری راجہ بلال سوم تھا اور دوسرے اس زمانے کے مشہور
گرو مادھواچاریہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ہری ہر اور بُکّ نے انہیں دو بزرگوں کی پیروی کی جب
مسلمان حملہ آوروں نے سلطان محمد تغلق کے عہد میں بلال سوم کا خاتمہ کر دیا تو ہری ہر نے اس کی جگہ لی
اور سنہ ۱۳۳۶ء / ۷۳۲ھ میں سلطنت بجیانگر کی بنیاد ڈالی لیکن گرو مادھواچاریہ جو اپنے علم و فضل کی بنا پر ودیارنیہ
کے لقب سے ملقب تھے اس جدید سلطنت کی تعمیر میں آخر تک شریک رہے اور اس کے سیاسی مشیر تھے
ہری ہر اور بُکّ نے اسی گرو کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا اور بجیانگر کو اسی کے نام سے موسوم کیا
اس سلطنت میں تین خاندانوں نے حکومت کی پہلا خاندان سنگم تھا جو ہری ہر کے باپ کے نام سے موسوم
ہے سنہ ۱۴۷۹ء / ۸۸۴ھ تک اس خاندان کے آٹھ راجگان نے حکومت کی لیکن آخری راجہ ورو پاکشا اس قدر
کمزور ہو گیا کہ ایک فوجی افسر نے سلطنت پر قبضہ کر لیا چنانچہ پرانے خاندان کی جگہ نرسمہا اور اس کے
تین جانشینوں نے بجیانگر پر حکومت کی یہ سالوا خاندان کہلاتا ہے لیکن سنہ ۱۴۹۹ء / ۹۰۵ھ میں اس کے ایک وزیر
نرسا نایک نے تخت بجیانگر پر قبضہ کر لیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی جو تولوا خاندان کے نام
سے موسوم ہے اس خاندان کے پانچ راجہ گزرے ہیں۔ لیکن کرشنا دیورائے کے داماد رام راج نے آخری راجہ
سداشیو رائے کو بے اختیار کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ رام راج کی بڑی طاقت تھی لیکن اس کے

خلاف ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ میں دکن کی اسلامی سلطنتوں نے ایکا کر کے اس کا خاتمہ کر دیا اگرچہ امراء اس کے پسماندگان بجیانگر کو چھوڑ کر پنگنڈہ میں جا کر بس گئے لیکن وہ پرانی عظمت حاصل نہیں کر سکے جو قدیم راجگان بجیانگر کو حاصل تھی راجگان بجیانگر نے دو سو سال سے زیادہ جنوب ہند کی اس قدر آب و تاب کے ساتھ حکومت کی کہ اس کی مثال دکن کے دوسرے خاندانوں میں مشکل سے ملتی ہے تولووا خاندان کے مشہور راجہ کرشنا دیورائے کا عہد اس سلطنت کا معراج تھا اس عہد میں دکن کو بہت فروغ ہوا اور چاروں طرف اس کے چرچے ہوتے تھے۔ عبدالرزاق ایرانی کے سفرنامے سے اس قدیم سلطنت کی آب و تاب معلوم ہوتی ہے اور ہمپی کے کھنڈر آج بھی اس کے شاہد ہیں۔

سلطنت بہمنی سلطنت بجیانگر کے قیام کے تقریباً بیس سال کے بعد سطح مرتفع دکن پر بھی بغاوت کا سامان جمع ہو گیا۔

امیران صدہ[1] جو دکن کی حکمرانی اور نظم و نسق کے لیے یہاں آباد کیے گئے تھے سلطنت دہلی سے منحرف ہو گئے اور اپنی ایک خودمختار سلطنت بنا لی۔ جب سلطان محمد تغلق نے ان کی سرکوبی کے لیے ۱۳۴۵ء/۷۴۶ھ میں دولت آباد پر حملہ کر دیا تو ان لوگوں نے اسمٰعیل مخ کو جو ان کا ایک سربرآوردہ اور عمر رسیدہ امیر صدہ تھا اپنا بادشاہ بنا لیا لیکن جب سلطان محمد تغلق یہاں سے دہلی واپس ہو گیا اور شمال کی فوجوں کو دولت آباد اور گلبرگہ کے سامنے شکست ہو گئی تو ۱۳۴۷ء/۷۴۸ھ میں تمام امیران صدہ نے اپنی خودمختار سلطنت قائم کر لی اور اسمٰعیل مخ جس نے ناصرالدین شاہ کا لقب اختیار کیا تھا بہت جلد حکومت سے کنارہ کش ہو گیا اور اس کی جگہ ایک لائق امیر صدہ ظفر خاں کو بادشاہ بنایا گیا جس نے علاؤالدین حسن بہمن شاہ کا لقب اختیار کر کے دکن میں ایک جدید سلطنت کی

---

[1] امیران صدہ سو سواروں کے افسر ہوتے تھے جو دکن کے مختلف حصوں میں آباد کیے گئے تھے اور ان کے لوازم معاش کے لیے انھیں زمینیں اور جاگیریں دی گئیں۔ اہل دکن زیادہ تر انھیں کی اولاد ہیں۔

بنیاد ڈالی اور یہ بہمن شاہ کے نام سے سلطنت بہمنی کہلاتی ہے۔ یہ سلطنت قدیم چالوکی اور راشٹراکٹ سلطنتوں کی جانشین تھی مگر پچھلی سلطنتوں سے زیادہ آب و تاب سے قایم ہوئی بہمنی بادشاہوں نے تقریباً دوسو سال تک دکن میں حکومت کی آندھرا راجگان کی طرح۔ لوگ بھی جلیل القدر حکمران تھے اور بڑے تمدن کے حامل تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان سلاطین نے اپنی بیش بہا تمدنی خدمتوں سے دکن کو دکن بنا دیا۔ دکن کا موجودہ تمدن بہت کچھ انہیں لوگوں کا سرمایہ ہے۔ اس خاندان کے اٹھارہ حکمران گزرے ہیں۔ اگرچہ اس سلطنت کی بنیاد دولت آباد میں رکھی گئی تھی لیکن اس کے بعد گلبرگہ اس کا پایہ تخت بنایا گیا جو ۱۴۲۴ء (۸۲۷ھ) تک اس سلطنت کا مرکز رہا۔ پہلے تین بادشاہوں کے عہد میں اس سلطنت کی بنیاد پڑی اور استحکام ہوا لیکن آٹھویں بادشاہ فیروز شاہ کے عہد میں اس کو غیر معمولی عروج ہوا جس کے نقوش اب تک دکن میں پائے جاتے ہیں لیکن اس کے بھائی احمد شاہ کے عہد سے جس نے گلبرگہ کو چھوڑ کر ۱۴۳۲ء (۸۳۶ھ) میں بیدر کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا اس سلطنت میں زوال کے آثار پیدا ہو گئے کیونکہ اس عہد سے اکثر باہر کے لوگ ترک و ایرانی سلطنت میں دخیل ہونے لگے اور انھوں نے سلطنت کو اپنے اغراض کے بھینٹ چڑھایا۔ قدیم اہل دکن اس بیرونی تسلط کو کب گوارہ کر سکتے تھے چنانچہ دونوں طبقوں میں سخت کشمکش ہو گئی اور یہ کشمکش محمد شاہ لشکری کے عہد میں جو بہمنی خاندان کا تیرھواں بادشاہ ہے بہت شدید ہو گئی کیونکہ اس کا وزیر محمود گاواں جو تاجر کی حیثیت میں باہر سے آیا تھا سلطنت پر خود حاوی ہو گیا اور اس کی طرف سے اکثر لوگ باہر سے آکر سلطنت میں دخیل ہو گئے۔ اس کشمکش سے سلطنت بہت کمزور ہو گئی اور چودھویں بادشاہ محمود شاہ کے عہد میں اس قدر کمزور ہو گئی کہ ۱۴۹۰ء (۸۹۶ھ) میں تمام صوبہ دار باغی ہو گئے اور مرکزی حکومت بھی ایک ترک خاندان برید کے ہاتھ میں آ گئی چنانچہ محمود شاہ اور اس کے چار بیٹے بریدوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہو کر رہ گئے اور جب آخری بادشاہ کلیم اللہ بریدوں سے تنگ آکر ۱۵۲۷ء (۹۳۴ھ) میں بیدر چھوڑ کر احمد نگر بھاگ گیا تو اس خاندان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

دکن کی پانچ سلطنتیں

جس طرح اوپر ذکر ہوا ہے ۱۴۹۰ء (۸۹۶ھ) میں سلطنت بہمنی کا اس طرح شیرازہ بکھرا کہ اس کے تمام صوبہ دار باغی ہو گئے چنانچہ بیجاپور میں جو اس کا شمالی مغربی صوبہ تھا عادل شاہی خاندان قابض ہو گیا اور احمد نگر میں جو اس کا شمالی صوبہ تھا نظام شاہی خاندان اور برار میں جو اس کا سرحدی صوبہ تھا عماد شاہی خاندان اور گولکنڈے میں جو جنوب مشرقی صوبہ تھا قطب شاہی خاندان مسلط ہو گیا اور خود بیدر میں بہمنیوں کو کٹھ پتلی بنا کر بریدیہ مسلط ہو گئے یہ دکن کی پانچ سلطنتیں کہلاتی ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سلطنت کی تقسیم بھی کم و بیش جغرافی اعتبار سے ہوئی تھی کیونکہ برار جہاں عماد شاہیوں نے حکومت کی جغرافی اعتبار سے ایک علیحدہ خطہ ہے نظام شاہی سلطنت کا تعلق ٹھیٹ مہاراشٹر سے اور بیجاپور کا تعلق زیادہ تر کرناٹک سے تھا اور قطب شاہی سلطنت تلنگانے میں محدود تھی۔ ان پانچ سلطنتوں میں برار اور بیدر کی بہت چھوٹی سلطنتیں تھیں ان کی کچھ زیادہ تاریخ نہیں ہے کیونکہ ان کی ہمسایہ سلطنتوں نے ان کو جلد ضم کر لیا چنانچہ احمد نگر نے ۱۵۷۴ء (۹۸۲ھ) میں برار کو اور بیجاپور نے ۱۶۱۹ء (۱۰۲۹ھ) میں بیدر کو اپنے میں ضم کر لیا۔ البتہ باقی تین سلطنتیں جو عادل شاہی نظام شاہی اور قطب شاہی کہلاتی ہیں تقریباً دو سو سال قائم رہیں اور دکن کے مختلف خطوں کی بیش بہا تمدنی خدمت کی جن کے گہرے نقوش دکن کی معاشرت اور سیاست میں اب تک پائے جاتے ہیں۔

تقریباً ۱۵۵۸ء (۹۶۵ھ) تک جب کہ بیجاپور میں تین بادشاہ یوسف عادل شاہ۔ اسمٰعیل عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ رہے اور احمد نگر میں دو بادشاہ احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ اور گولکنڈے میں دو بادشاہ سلطان قلی قطب شاہ اور جمشید قطب شاہ نے حکومت کی ان سلطنتوں کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور اس کے بعد ۱۵۸۰ء (۹۸۸ھ) تک ان سلطنتوں کے استحکام کا زمانہ ہے۔ اس کے اختتام جو دوسرا دور شروع ہوا تو اس وقت بیجاپور میں علی عادل شاہ اول اور احمد نگر میں حسین نظام شاہ اول اور گولکنڈے میں ابراہیم قطب شاہ حکمران تھے اور ان لوگوں نے اپنی سلطنتوں کو چاروں طرف سے

مستحکم کردیا نتیجہ یہ تھا کہ ان سلطنتوں نے ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ میں جنوب کی سلطنت بیجانگر پر متحدہ حملہ کرکے اس کا خاتمہ کردیا یہ مشہور جنگ تالیکوٹ کہلاتی ہے جس کی کامیابی سے ان تینوں سلطنتوں کو بہت سے مادی فائدے پہنچے اور یہ سلطنتیں جنوب میں بہت پھیل گئیں اس بات کا افسوس ہے کہ حسین نظام شاہ جو اس جنگ تالیکوٹ کا حقیقی فاتح کہا جاتا ہے اس جنگ کی کامرانیوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہت دنوں تک زندہ نہیں رہا بلکہ اس جنگ کے چند مہینوں کے بعد ہی فوت ہوگیا۔ اس کی بے وقت موت سے اس بدقسمت سلطنت کو بہت نقصان پہنچا

سنہ ۱۵۸۰ء/۹۸۸ھ سے ان سلطنتوں کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں ان خاندانوں نے مختلف تمدنی ترقیوں سے اپنی سلطنتوں کو سنوارا جو انکے کام کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اس دور میں علمی کام ہوئے عمارتیں بنیں اور شہر آباد ہوئے بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ ثانی اور گولکنڈے میں محمد قلی قطب شاہ اور سلطان محمد قطب شاہ اس دور کے حکمران ہیں جن کا دکن پر بہت بڑا احسان ہے لیکن نظام شاہی سلطنت میں حسین نظام شاہ کے جانشین اس قدر کمزور تھے کہ اس سلطنت کی ترقی بہت دنوں تک رکی رہی۔ اس کے علاوہ شمال سے مغلوں نے دکن پر حملے شروع کردیے چونکہ نظام شاہی سلطنت شمال میں واقع تھی اس لیے یہی مغل حملوں کا پہلا نشانہ بنی چنانچہ سنہ ۱۵۹۵ء/۱۰۰۳ھ میں شہنشاہ اکبر کے بیٹے شاہزادہ مراد نے احمد نگر پر حملہ کردیا۔ اگرچہ یہ حملہ اتنا کامیاب نہیں ہوا جتنا مغل حملہ آور چاہتے تھے کیونکہ حسین نظام شاہ اول کی بیٹی چاند بی بی ان حملہ آوروں کے سامنے سینہ سپر ہوگئی لیکن اس سے مغلوں کو دکن کا راستہ مل گیا چنانچہ اس سے پانچ سال کے بعد جب چاند بی بی کا انتقال ہوگیا تو سنہ ۱۶۰۰ء/۱۰۰۹ھ میں شاہزادہ دانیال نے قلعہ احمد نگر فتح کرلیا۔ مگر چاند بی بی کے مرنے کے بعد نظام شاہی سلطنت کے مشہور قائد ملک عنبر نے اس سلطنت کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور دولت آباد کو اس سلطنت کا پایہ تخت بنا کر اس کو پھر زندہ کردیا۔ اس نے نہ صرف شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں مغلوں کو اپنے حدود سے آگے

بڑھنے نہیں دیا بلکہ نظام شاہی سلطنت کو تمدنی ترقیوں سے اس طرح سنوارا جس طرح بیجاپور اور گولکنڈے
کے والی اپنی سلطنتوں کو آگے بڑھاتے تھے یہاں بھی عمارتیں بنیں اور شہر آباد ہوئے جو اب تک موجود ہیں۔

دکھنی سلطنتوں کا زوال اور مرہٹوں کا احیاء

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دکن کا یہ عہد ترقی ۱۶۲۶ء/۱۰۳۵ھ پر ختم ہو گیا کیونکہ تقریباً اسی سنہ میں ملک عنبر ابراہیم عادل شاہ ثانی اور سلطان
محمد قطب شاہ فوت ہو گئے اور ان کے جانشین اس قدر کمزور تھے کہ ترقی کرنا تو کجا اپنی سلطنت کو
نہیں سنبھال سکے نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ جہاں نے ۱۶۳۳ء/۱۰۴۳ھ میں احمد نگر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور
اس پر طرہ یہ کہ گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنت جو نظام شاہی سلطنت کے پیچھے سانس لیتی تھی ۱۶۳۶ء/۱۰۴۶ھ میں
مغل سلطنت کی حکمبردار بن گئیں اور اس طریقے سے ۱۶۳۶ء/۱۰۴۶ھ میں دکن کا تمام اقتدار اہل دکن کے ہاتھ سے
چھن گیا۔ لیکن یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اسی زمانے میں جب کہ بیجاپور اور گولکنڈے کی سلطنتیں روبزوال
تھیں دکن میں ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی اور یہ مرہٹوں کی طاقت تھی جو سیواجی کی رہنمائی میں کھڑی
ہو گئی سیواجی بھونسلہ احمد نگر کے مشہور زمیندار شاہ جی کا بیٹا تھا جنے مرحوم نظام شاہی سلطنت کے
بے روزگار سپاہیوں کو اپنے اردگرد جمع کر کے ایک نئی طاقت فراہم کر لی اور عادل شاہی
سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیے حالانکہ اس کا
باپ شاہ جی اس سلطنت کا ملازم تھا ۱۶۴۶ء/۱۰۵۶ھ سے دس سال کے اندر اس کی اچھی طاقت
ہو گئی جو عادل شاہی مدافعت اور مغلوں کی مزاحمت کے باوجود برابر بڑھتی گئی اور ۱۶۸۰ء/۱۰۹۱ھ
میں جب کہ سیواجی کا انتقال ہوا ہے یہ بہت بڑی طاقت ہو گئی لیکن اس سلطنت کا ایک تاریک
پہلو یہ ہے کہ اس نے کوئی تعمیری کام نہیں کیا بلکہ ہر طرف لوٹ مار کرتی تھی جس سے دکن کو بہت
نقصان پہنچا سیواجی کے جانشین سنبھاجی نے دکن میں اس قدر ادھم مچایا کہ اہل دکن چیخنے لگے
اور بالآخر شہنشاہ اورنگ زیب ۱۶۸۲ء/۱۰۹۲ھ میں مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے دکن آگئے اور تمام شہنشاہی

طاقت کے ساتھ مرہٹوں کے مقابلے میں مصروف ہوگئے۔ دکن آنے کے بعد شہنشاہ نے یہ سوچا کہ مرہٹوں کے استیصال سے پہلے دکن کی اسلامی سلطنتوں کا خاتمہ کر دینا ضروری ہے کیونکہ یہ سلطنتیں اپنے بقا کے لیے مرہٹوں کو مدد دیتی ہیں اس لیے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور اور ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی سلطنتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے بعد مرہٹوں پر یورشیں ہونے لگیں اگرچہ اورنگ زیب کے انتقال تک جو ۱۷۰۷ء میں ہوا مرہٹوں کے تمام قلعے سنحر کر لیے گئے اور ان کے تمام رہنما یا تو قتل کر دیے گئے یا قید ہو گئے لیکن مرہٹہ قوم فنا نہیں ہوئی بلکہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اپنے کئی رہنماؤں کے تحت پھر طاقتور ہو گئی۔

دورِ حالیہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اٹھارھویں صدی عیسوی اور بارھویں صدی ہجری میں ایک تو مرہٹے از سر نو جاگ اٹھے کیونکہ سنبھاجی کا بیٹا ساہوجی جو اورنگ زیب کے کیمپ میں گرفتار تھا رہا کر دیا گیا اور مرہٹوں نے اس کو اپنا راجہ بنا لیا اور اس کے وزرا جو پیشوا کہلاتے ہیں سیاسی میدان میں آ گئے اور ان لوگوں نے ساہوجی کو بے دست و پا کر کے مرہٹہ سلطنت کا تمام سیاسی اختیار اپنے ہاتھ میں کر لیا چنانچہ بھونسلہ خاندان تو غائب ہو گیا اور اس کے مقابلے میں دکن میں پیشواؤں کا نیا خاندان قایم ہو گیا۔ پیشواؤں کے تحت مرہٹوں کی ایک بہت بڑی طاقت کھڑی ہو گئی جو نہ صرف دکن پر چھا گئی بلکہ اس سے بڑھ کر شمال پر بھی وار کرنے لگی۔ چنانچہ بالاجی راؤ کے عہد میں جو تیسرا پیشوا تھا مرہٹوں کی غیر معمولی طاقت ہو گئی اور اگر ۱۷۶۱ء والی جنگ پانی پت میں ان کی ہار نہ ہوتی تو آج تمام ہندوستان ان کے ہاتھ میں ہوتا۔ یہ پہلے جنگ پانی پت میں بہت کمزور ہو گئے اور اس کے بعد لارڈ ولزلی کے عہد میں ان کی رہی سہی طاقت جاتی رہی۔ دوسری طرف دکن کی سطح مرتفع پر جہاں ایک زمانے میں بہمنی پرچم لہرایا تھا آصفی سلطنت قایم ہو گئی جس کے بانی اٹھارھویں صدی عیسوی کے مشہور مدبر حضرت مغفرت مآب نظام الملک آصفجاہ تھے۔ مغفرت مآب کے بزرگوں نے

شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں مغل سلطنت کی بڑی خدمت کی تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے
انتقال کے بعد جب اس کے جانشینوں کی کمزوری اور بیوفائی اور سادات بارہہ کی غداری کی وجہ سے
مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرا تو مغفرت مآب نے ۱۷۲۴ء ۱۱۳۵ھ میں دکن کی صوبہ داری سنبھال لی جو بعد کو
ایک سلطنت بن گئی اور اپنے مقدس بانی کے نام سے سلطنت آصفیہ کہلانے لگی۔ سلطنت آصفیہ کی
تاسیس بڑی سیاسی دانائی تھی۔ اگر یہ سلطنت قائم نہ ہوتی تو تمام دکن مرہٹوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ
بنا رہتا۔ حضرت مغفرت مآب اور ان کے جانشینوں کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے ہندوستان کی
اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا مقابلہ کر کے دکن کی سلطنت بچا لی اور بہمنی سلطنت کی یاد تازہ کر دی
جو چودھویں اور پندرھویں صدی میں اس سرزمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ آصفجاہ ثانی حضرت
غفران مآب نواب نظام علی خاں جو ۱۷۶۱ء ۱۱۷۵ھ میں فائز سلطنت ہوئے تھے اس سلطنت کے بڑے
رہنما تھے جنھوں نے اس سلطنت کو ہندوستان کی جانگداز مزاحمتوں سے بچا لیا۔ حضرت غفران منزل
نواب ناصر الدولہ اور مغفرت مکان نواب افضل الدولہ کے عہد میں جب نئے حالات پیدا ہوئے
تو اس سلطنت میں بھی ترقیوں کے دروازے کھول دئے گئے۔ اس دور کے مشہور وزیر مختار الملک
سالار جنگ اول نے اس سلطنت کی زمانہ حال کے مطابق تعمیر کی اور ۱۹۱۱ء سے جب سے وہ
اعلیحضرت **سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ** سریر آرائے سلطنت ہوئے تو سلطنت آصفیہ
دنیا کے متمدن مملکتوں کا جواب ہوگئی اور اس میں ایسی ذہنی اور اخلاقی طاقتیں پیدا کی گئی ہیں کہ اب وہ
نہ صرف غیر متزلزل ہے بلکہ وہ ہر روز ترقی پذیر ہے۔ **صانہا اللہ عن الشرور والفتن**

حصۂ اوّل

دورِ قدیم

(۱) آندھرا خاندان

۲۲۰ ق م تا ۲۳۶ء

یہ دکن کا سب سے پہلا خاندان ہے جس سے تاریخ آشنا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس قبیلے کے قدیم بزرگ کوہ بندھیاچل میں آباد تھے اور حکومت کرتے تھے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ یہ لوگ مشرقی دکن کے رہنے والے تھے جس کو آندھرا یا تلنگانہ کہتے ہیں اور جہاں اب تلنگی زبان بولی جاتی ہے اور اسی وجہ سے اس کو آندھرا خاندان کہتے ہیں۔ راجہ اشوک کے انتقال کے بعد ۲۲۰ ق م میں یہ لوگ طاقتور ہوئے اور تمام دکن پر چھا گئے۔ پٹن جو دریائے گوداوری پر واقع ہے ان کا پائے تخت تھا۔ یہ بہت بڑا خاندان ہے جس کے تیس راجگان کا پتہ چلتا ہے اور انھوں نے چارسو پچاس سال دکن پر حکومت کی۔ ان کی تمام تاریخ تاریکی میں ہے۔ صرف سکوں اور کتبوں سے راجگان کے نام دریافت ہوتے ہیں۔ ان کے سنہ جلوس کا پتہ تو چلتا ہے لیکن یہ یقینی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتانا مشکل ہے کہ ان راجگان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق تھا۔ ۲۳۶ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا اس خاتمہ کے اسباب بھی نہیں معلوم ہوتے۔ ممکن ہے کہ پلاوا خاندان جو تقریباً ۲۲۵ء میں جنوب میں قائم ہوا آندھروں کے زوال کا باعث ہو اور کئی سال کے بعد ان کے بعض مقبوضات پر کومیا قبیلہ قابض ہو گیا۔

سنہ جلوس

(۱) شیموکا (یا سسوکا، سیپرکا، سندھوکا) عہدِ حکومت ۲۳ سال	۲۲۰ ق م
(۲) کنہا یا کرشنا۔ یہ شیموکا کا بھائی تھا، عہدِ حکومت ۱۰ سال،	۱۹۷
(۳) یگنا سری ساتکرنی (یا شیہ ی ملا کا نی یا شاتنا کرنی) عہدِ حکومت ۱۰ سال،	۱۸۹
(۴) پورنو تسنگ (عہدِ حکومت ۱۸ سال،	۱۶۹
(۵) ساتکرنی (عہدِ حکومت ۵۶ سال)	۱۵۱
(۶) لمبودرا (عہدِ حکومت ۱۸ سال)	۱۱۱
(۷) اپلک (یا اپی لک یا اوی لک (عہدِ حکومت ۱۲ سال)	۹۳
(۸) سنگھ یا میگھ سواتی (عہدِ حکومت ۱۸ سال)	۸۱
(۹) ساتکرنی یا سات سواتی (عہدِ حکومت ۱۸ سال)	۶۳
(۱۰) سکند سواتی یا سکند ساتکرنی (عہدِ حکومت ۷ سال)	۴۵
(۱۱) میر گیندر ساتکرنی (یا مہندر) عہدِ حکومت ۳ سال)	۳۸
(۱۲) کنتلا یا سواتی کرن (عہدِ حکومت ۸ سال)	۳۵
(۱۳) ست ساتکرنی یا سواتی کرنی یا سواتی سین (عہدِ حکومت ۱ سال،	۲۷
(۱۴) پلومائی اول یا پلو مادی یا پٹو مادی یا پٹوست (عہدِ حکومت ۳۲ سال اس نے نگدہ کے راجہ کو قتل کیا تھا۔)	۲۶
(۱۵) میگھ ساتکرنی (عہدِ حکومت ۳۸ سال)	۶ عیسوی
(۱۶) ارشٹا ساتکرنی یا ارشٹا کرنی یا نمی کرشنا یا گورا کرشنا) عہدِ حکومت ۲۵ سال	۴۴
(۱۷) ہالا یا ہالے یاد (عہدِ حکومت ۵ سال)	۶۹

سنہ جلوس

(۱۸) منڈالک یا منٹالک یا پٹ لک (عہد حکومت ۵ سال) ۷۴ عیسوی

(۱۹) پورنیدرسین یا پوٹش سین یا پرویل سین (عہد حکومت ۵ سال) ۷۹ "

(۲۰) سندر سات کرنی عہد حکومت ۱ سال) ۸۴ "

(۲۱) ولی وائی کراول (یا بششتی پتر یا چکور یا راجڈ سات کرنی عہد حکومت ۶ مہینے ۸۵ "

(۲۲) شوالکر یا مادہری پتر سکنیہ یا شوسواتی سات کرنی (عہد حکومت ۲۸ سال) ۸۵ "

(۲۳) ولی والی کرثانی (یا گوتمی پتر شری سات کرنی عہد حکومت ۲۵ سال۔ اس کے عہد میں شک حکمرانوں سے لڑائیاں ہوئیں) ۱۱۳ "

(۲۴) پلومائی ثانی (یا بششتی پتر یا پلوست یا پودمائی (عہد حکومت ۳۲ سال) ۱۳۸ "

(۲۵) شوشری یا بششتی پتر یا اوی سات کرنی (عہد حکومت ۷ سال) ۱۷۰ "

(۲۶) شوسکند سات کرنی یا سکند سواتی (عہد حکومت ۷ سال ۱۷۷ "

(۲۷) یگین سری گوتمی پتر (عہد حکومت ۲۹ سال ۱۸۴ "

(۲۸) یجے سات کرنی عہد حکومت ۶ سال ۲۱۳ "

(۲۹) ندا سری یا چندر دوگنا یا بششتی پتر یا چندر سری سات کرنی (عہد حکومت ۱۰ سال) ۲۱۹ "

(۳۰) پولومائی سوم یا پولومادی یا پولومارچس (عہد حکومت ۷ سال) ۲۲۹ "

(۲) کدمبا خاندان

سن ۳۴۰ء تا سن ۵۶۵ء

یہ ایک چھوٹا خاندان ہے جو آندھرا خاندان کے زوال کے دوسو سال کے بعد دکن کے مغربی حصے پر قابض ہوا تھا۔ کدمبا سنسکرت میں سیندھی کے درخت کو کہتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس قبیلے کے بانی راجہ جینت کے گھر کے سامنے ایک سیندھی کا درخت تھا اور یہ راجہ اسی درخت سے پہچانا جاتا تھا۔ اس وجہ سے جب یہ قبیلہ برسر حکومت ہوا تو اس کو کدمبا خاندان کہنے لگے۔ یہ سن ۳۴۰ء میں برسر اقتدار ہوئے اور سن ۵۶۵ء میں ان کا چالوکیوں کے ہاتھوں بالکل خاتمہ ہو گیا۔ کرتی ورما چالوکیہ نے سن ۵۶۶ء میں ان کی تمام راجدھانی پر قبضہ کر لیا اس قبیلے کے ۱۱ راجہ گزرے ہیں۔ گیارھویں صدی عیسوی میں اس قبیلے کی بعض شاخیں ہانگل اور گوا میں بھی حکومت کرتی رہیں۔ شیر ببر ان کا نشان سلطنت تھا۔

- (۱) سیوسکشرمن ۳۴۰ء تا ۳۶۰ء
  - (۲) کنگ ورمن ۳۶۰ء تا ۳۸۵ء
    - (۳) بھگی رتھ ۳۸۵ء تا ۴۱۰ء
      - (۴) رگھو ۴۱۰ء تا ۴۲۵ء
      - (۵) کاکتشا ورمن ۴۲۵ء تا ۴۵۰ء
        - (۶) شانتی ورمن ۴۵۰ء تا ۴۷۵ء
          - (۷) میری گیش ورمن ۴۷۵ء تا ۴۸۸ء
            - (۹) روی ورمن ۵۰۰ء تا ۵۳۷ء
              - (۱۰) ہری ورمن ۵۳۷ء تا ۵۵۰ء
            - بھانو ورمن
            - سیوارتھا
          - (۸) ماندھاتری ورمن ۴۸۸ء تا ۵۰۰ء
        - کرشنا ورمن اول
          - وشنو ورمن اول یا وشنو داس
            - سمھا ورمن
              - (۱۱) کرشنا ورمن ثانی ۵۵۰ء تا ۵۶۵ء
                - آج ورمن
                  - بھوگی ورمن
                    - وشنو ورمن ثانی
              - دختر
          - دیو ورمن یا شیوانند ورمن

(۳) خاندان چالوکیہ (مغربی)

۵۵۰ء تا ۷۵۳ء

یہ دکن کا مشہور خاندان ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں دکن پر مسلط ہوا دکن کی اصل تاریخ اسی زمانے سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بانی اودھ سے دکن آئے تھے۔ ان کے متعلق ایک دلچسپ کہانی بولی جاتی ہے جو اکثر کتبوں میں درج ہے۔ کہانی یہ ہے کہ ایک مرتبہ برہما عبادت میں مشغول تھے۔ اندرا ان کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ دنیا میں برائیاں بہت ہوئیں اور ان کا سدباب ہونا چاہیئے۔ اس وقت برہما کے دونوں ہاتھوں یعنے "چلو" میں عبادت کا پانی تھا۔ اندرا کے کہنے سے انھوں نے پانی کی طرف دیکھا تو اسی پانی میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جو بعد کو خاندان چالوکیہ کا بانی ہوا۔ اور اسی وجہ سے اس خاندان کو چالوکیہ کہتے ہیں گویا یہ چلو سے پیدا ہوا ہے۔

اگرچہ اس خاندان کا بانی جیسمہ ہے جو ۵۰۰ء میں حکومت کرتا تھا لیکن اس کے پوتے پلکیسن اول کے عہد سے جو ۵۵۰ء میں گدی نشین ہوا تھا اس خاندان کو فروغ ہوا اور اس پلکیسن کے پوتے پلکیسن ثانی کے عہد میں یہ سلطنت بہت اقبالمند ہوگئی۔ اگرچہ اس راجہ کے عہد میں جنوب کے پلاوا خاندان سے اس سلطنت کو بہت نقصان پہنچا اور اسکو عارضی طور پر زوال ہوگیا لیکن تیرا سال کے وقفے کے بعد یہ پھر زندہ ہوگئی اور ۷۵۳ء تک اس خاندان کے نو راجگان نے حکومت کی بالآخر راشتراکت قبیلے نے ان کو بے دخل کر کے دکن پر قبضہ کر لیا (راشتراکت) جو آج کل بادامی کہلاتا ہے۔ ان کا پائے تخت تھا۔ خوک صحرائی ان کا نشان سلطنت تھا۔

فاصلے پر جنوب میں واقع ہے۔

جے سمہہ
تقریباً ۵۰۰ء

رن رنگا (یا رن بکرم یا راجا سمہہ)

(۱) پلکیسن اول
۵۵۰ء تا ۵۶۶ء (تقریباً)

(۲) کرتی ور ما اول (رن پراکرم)
۵۶۶ء تا ۵۹۷ء

(۳) منگلیش (ران وکرانت)
۵۹۷ء تا ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء

(۴) پلکیس ثانی (ایریا)
۶۰۹ یا ۶۱۰ تا ۶۴۲ء

کبجا وشنو وردھن[۱]

جیسے سمہہ
ناگا وردھن

چندرا جیت

آجیت ور ما

(۵) بکرما جیت اول[۲]
(رن رسک راج مل)
۶۵۵ یا ۶۵۴ تا ۶۸۰ء

جے سمہہ

دختر امیر ارمشبتہ

(۶) وینا جیت جودہ مل)
۶۸۰ء تا ۶۹۶ء

(۷) وجیا جیت
۶۹۶ء تا ۷۳۳ء

(۸) بکرما جیت ثانی
۷۳۳ء تا ۷۴۳ یا ۷۴۴ء

(۹) کرتی ور ما ثانی
۷۴۳ یا ۷۴۴ء تا ۷۵۳ء

بھیم اول
کرتی ور ما سوم

۱ کبجا وشنو وردھن نے مشرقی دکن میں ایک نئے خاندان کی بنا ڈالی جو مشرقی چالوکیاں کہلاتے ہیں۔
۲ جنوب کے پلاوا خاندان سے شکست کھانے کی وجہ سے پلکیس ثانی کے بعد ۱۳ سال کا وقفہ ہوا تھا اس کے بعد بکرما جیت نے تیرہ سال کے بعد سلطنت حاصل کی تھی۔

(۴) خاندان چالوکیہ (مشرقی)

۶۱۵ء تا ۱۱۱۸ء

یہ خاندان جس کا بانی کبجا وشنو وردھن ہے ۶۱۵ء میں مشرقی دکن پر مسلط ہوا اور اس کے اتباعین راجگان ۱۱۱۸ء تک حکومت کرتے رہے اور کانچی جو مدراس کے قریب ہے ان کا پایۂ تخت تھا۔ اس خاندان کا وجود اس طرح ہوا کہ مغربی چالوکی خاندان کے مشہور راجہ پلکیسن ثانی نے اپنے بھائی کبجا وشنو وردھن کو مشرقی دکن کا جس میں تلنگانہ اور تامل علاقے شامل تھے صوبہ دار بنایا تھا بعد کو یہ خود مختار ہوگیا اور ایک علحدہ خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً ۵ صدیوں تک مشرقی دکن میں حکمران رہا۔

کبجا وشنو وردھن اول
برادر پلکیس ثانی
۶۱۵ء تا ۶۳۳ء

(۲) جے سمہا اول
۶۳۳ء تا ۶۶۳ء

(۳) اندر بھٹارک
۷ دن حکومت کی
۶۶۳ء

(۴) وشنو وردھن دوم (راجا سندن یا وشما سدھی)
۶۶۳ء تا ۶۷۲ء

(۵) منگی یوراج (وجئے سدھی)
۶۷۲ء تا ۶۹۶ء

(۶) جے سمہہ دوم
۶۹۶ء تا ۷۰۹ء

(۸) وشنو وردھن سوم
۷۰۹ء تا ۷۴۶ء

(۷) کوکیلی
۶ ماہ حکومت کی
۷۰۹ء

(۹) بجیاجیت
۷۴۶ء تا ۷۶۴ء

(۱۰) وشنو وردھن چہارم
۷۶۴ء تا ۷۹۹ء

(۱۱) بجیاجیت دوم
۷۹۹ء تا ۸۴۳ء

نرپ رودر

(۱۲) اکلی وشنو وردھن پنجم
۸۴۳ء تا ۸۴۴ء

(بقیہ شجرہ صفحہ آئندہ)

(۱۳) گنگ بجیاجیت
۸۴۴ء تا ۸۸۸ء

بکرماجیت اول

یودھ مل اول

(۱۴) چالوکیہ بھیم دوم
۸۸۸ء تا ۹۱۰ء

(۱۸) آتا پ پال اول
۹۲۵ء صرف ایک ماہ)

(۱۵) بجیاجیت چہارم
۹۱۸ء (۶ ماہ)

(۱۹) بکرماجیت دوم
۹۲۶ء (۱۱ ماہ)

(۲۱) بودھ مل دوم
۹۲۶ء تا ۹۳۴ء

باڑپ

تتال دوم

(۱۶) آتا اول (وشنو وردھن ششم)

(۲۲) چالوکیہ بھیم سوم
۹۳۴ء تا ۹۴۵ء

(۱۷) ایت بجیاجیت پنجم
۹۲۵ء (۱۵ دن)

(۲۰) بھیم دوم
۹۲۶ء تا ۹۲۷ء (۸ ماہ)

(۲۴) دانارنو
۹۷۰ء تا ۹۷۳ء

(۲۳) اتا دوم
۹۴۵ء تا ۹۷۰ء

(۲۵) شکتی ورمن
۹۹۹ء - ۱۰۱۱ء

(۲۶) وِمل جیت
۱۰۱۱ء تا ۱۰۲۲ء

(۲۷) راج راج نریندر اول
۱۰۲۲ء تا ۱۰۶۳ء

وجستر

وجیاجیت چہارم
۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۶ء

(۲۸) راجندر دوم
۱۰۶۳ء تا ۱۰۷۰ء

کند بیلے
(دختر)

(۵) راشٹراکٹ خاندان
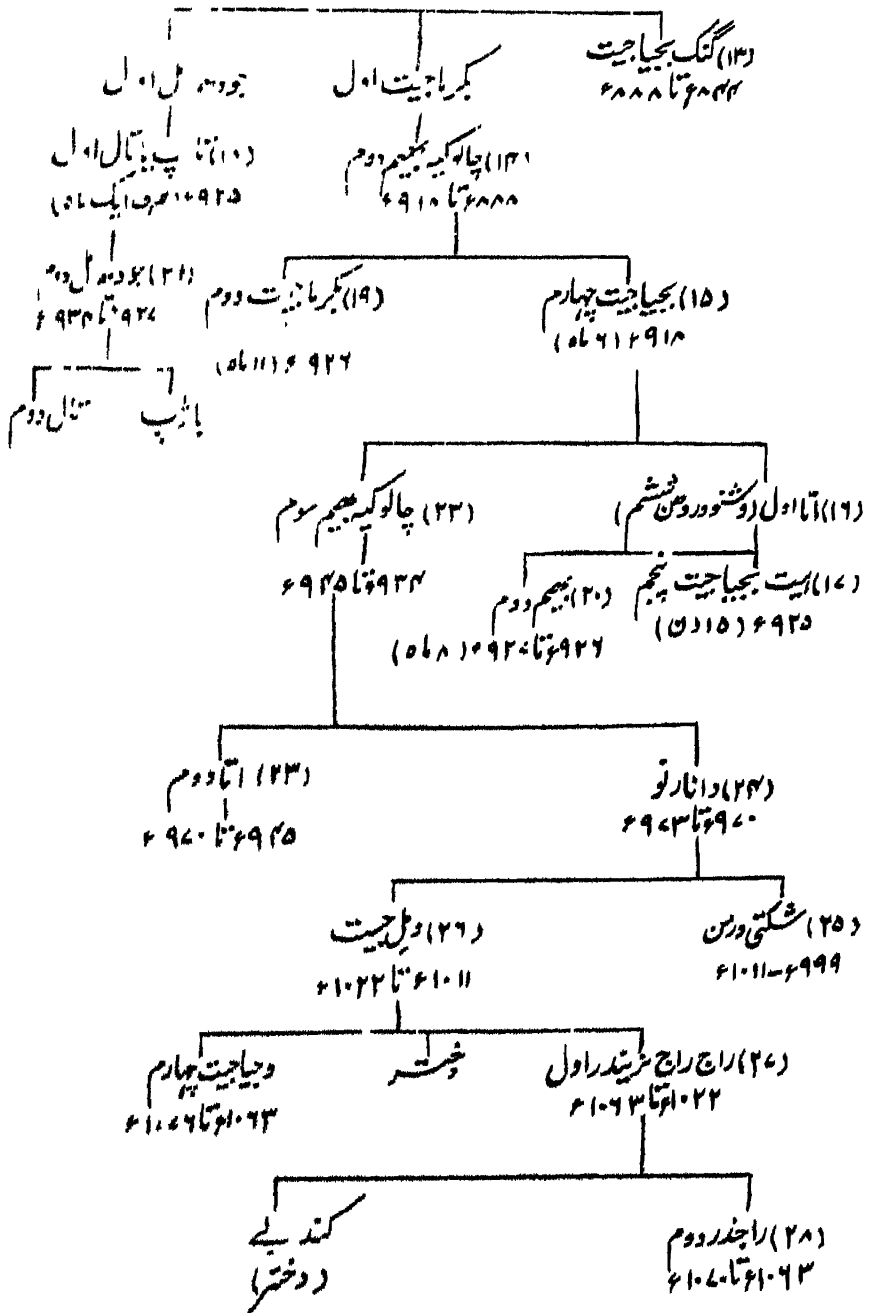
۷۵۳ء تا ۹۷۳ء

اگرچہ اس خاندان کا بانی دنتی ورما ہے لیکن اس خاندان کی اصل عظمت دنتی ورگ کے عہد میں حاصل ہوئی جو دنتی ورما کی چھٹی پشت میں تھا اس نے ۷۵۳ء میں چالوکیوں کا خاتمہ کر کے دکن پر قبضہ کرلیا اور چالوکیوں کی طرح بڑی سلطنت قایم کی۔ ملکھیڑ جو موجودہ وارڈی سے قریب ہے ان کا پائے تخت تھا۔ راشٹراکٹ ایک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی متحدہ سلطنت کے ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس قبیلے نے دکن کی منتشر طاقتوں کو جمع کر کے ایک سلطنت بنائی ہوگی۔ ۹۷۳ء تک اس خاندان کے بیس راجگان نے بڑے آب و تاب کے ساتھ حکومت کی اور اپنے تمدن کے بڑے آثار چھوڑے ہیں۔ بالآخر قدیم چالوکیہ خاندان کے پسماندگان نے ان کا خاتمہ کر دیا اور چالوکیوں کی از سر نو سلطنت قائم کر دی۔
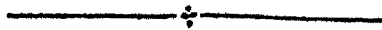
(۱) دنتی ورما اول
(۲) اندر اول
(۳) گووند اول
(۴) کرک یا کک اول
(۵) اندر دوم
(۶) دنتی ورگ
۷۴۸ء تا ۷۵۳ء یا ۷۷۵ء
(۷) کرشنا اول
۷۶۸ء تا ۷۷۲ء
اس نے کیلاش (ایلورہ) کی تعمیر کی
ننا
شنکر گن
۷۹۳ء
(۸) گووند دوم
۷۷۹ء تا ۷۸۳ء
(۹) دھرو
۷۸۳ء
کمبا
۸۰۲ء
(۱۰) گووند سوم
۷۸۳ء تا ۸۷۷ء
اندر دوم
گجرات میں علیحدہ سلطنت قائم کی
(۱۱) اموگھ ورش اول
۸۱۴ء تا ۸۷۷ء
شنکھا (دختر)
(۱۲) کرشنا دوم
۸۷۷ تا ۹۱۳ء
(۱۳) جگت تنگ
دختر زوجہ ایاتا دوم (مغربی چالوکیہ)
(۱۴) اندر سوم
۹۱۳ء تا ۹۲۲ء
(۱۷) بدّی گا یا اموگھ ورش سوم
۹۳۳ء تا ۹۳۷ء
(۱۵) اموگھ ورش دوم
ایک سال حکومت کی
۹۱۱ء میں اس کے بھائی نے حکومت چھین لی
(۱۶) گووند چہارم
۹۲۲ء تا ۹۳۳ء
دیوکا (دختر)
(۱۸) کرشنا سوم
۹۳۷ء تا ۹۳۸ تا ۹۶۵ء تا ۹۶۶ء
(۱۹) کھاتی کا نیسرہ پیم
۹۶۶ء تا ۹۷۳ء
ایک بیٹا
اندر چہارم
(۹۸۲ء میں مرا)
(۲۰) ککل دوم یا
اموگھا ورشا چہارم

(۶) خاندان چالوکیہ (کلیانی)

۹۷۳ء تا ۱۱۹۰ء

یہ خاندان قدیم چالوکیوں کا جانشین تھا۔ جب ۷۵۳ء میں قدیم چالوکی راجہ کرتی ورما دوم راشٹراکت قبیلے کے ہاتھوں مغلوب ہوگیا تو چالوکیوں کا اقتدار جاتا رہا۔ اس کا چچازاد بھائی کرتی ورما سوم اور اس کی اولاد زندہ تھی۔ غالباً یہ لوگ راشٹراکتوں کے باج گزار ہوگئے تھے لیکن ۹۷۳ء میں تیلپ جس کو تیل راجہ بھی کہا جاتا ہے اور جو کرتی ورما سوم کی ساتویں پشت میں تھا موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آخری راشٹراکت راجہ اموگھ ورش چہارم کو مغلوب کر دیا اور خاندان چالوکیہ کی از سر نو تعمیر کی۔ چنانچہ تیل راجہ اور اس کے دس جانشین دکن میں حکمراں ہوگئے۔ ان کا پایۂ تخت کلیانی تھا۔ چنانچہ اس جدید پایۂ تخت کی وجہ سے ان کو چالوکیان کلیانی کہتے ہیں۔ ۱۱۵۶ء میں کلچوری خاندان کے راجہ بجل دوم نے آخری راجہ تیلپ سوم کو تخت سے علحدہ کر دیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ تیلپ کے تین جانشین ۱۱۹۰ء یا ۱۲۰۰ء تک تخت کے مالک تھے لیکن وہ کلچوریوں کے دستبرد کی وجہ سے اس قدر کمزور تھے کہ پچھلے راجگان کی عظمت نہیں پیدا کر سکے بالاخر ۱۱۹۰ء میں دکن تین خاندانوں میں بٹ گیا جو یادو۔ کاکیتا۔ اور ہوسل کہلاتے ہیں اور چالوکیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

ستی ورما سوم
تیلپ یا تیل اول
بکرماجیت سوم
بھیم دوم
ایانا اول
بکرماجیت چہارم
(۱) تیلپ یا تیل دوم
۹۷۳ء تا ۹۹۷ء
داس ورمن یا یسوورمن
(۲) ست آسرے
کنڈ ایا کنڈ لیگا
بنواسی پر ۱۰۱۹ء
۱۰۲۸ء تا ۱۰۳۱ء
میں حکومت کی۔
دختر
(۵) جے سمہ دوم
۱۰۱۵ء تا ۱۰۴۲ء
اکا دیوی (دختر)
صوبہ کی شوکا وپہ حکمرانی کی۔
۱۰۱۰ – ۱۰۵۴ء
(۴) ایانا دوم
۱۰۱۴ء تا ۱۰۱۵ء
(۳) بکرماجیت پنجم
یا وکرامنکا
۱۰۰۸ – ۱۰۱۴ء
(۶) سومیشور اول
۱۰۴۲ء تا ۱۰۶۸ء
بشنوورودھن، جیاجیت
جے سمہ چہارم
(۸) بکرماجیت ششم
۱۰۷۶ء تا ۱۱۲۶ء
(۷) سومیشور دوم
۱۰۶۸ء تا ۱۰۷۶ء
میلال دیوی
سومیشور چہارم
(۹) سومیشور سوم
۱۱۲۶ء تا ۱۱۳۸ء
جے کرن
(۱۱) تیلپ سوم
۱۱۵۱ء تا ۱۱۵۶ء
(۱۰) جگت ایک مل
۱۱۳۸ء تا ۱۱۵۱ء
سومیشور چہارم
۱۱۸۴ء تا ۱۲۰۰ء
جگت ایک مل سوم ۱۱۶۳ء تا ۱۱۸۳ء
بعض مقامات پر حکومت کی
بھولوک مل
۱۱۶۰ء میں ایک صوبہ پر حکومت کی
اس کو شجرہ نمبر (۲) سے ملا کر پڑھنا چاہیئے۔
کیونکہ چالوکیوں کا ایک ہی خاندان ہے۔
چالوکیان کلیانی جو ۹۷۳ء میں پھر دکن کے
راجہ ہوئے ہیں وہ قدیم چالوکیوں کی اولاد تھے

(۷) خاندان کلچوری

۷۵ا۱ءتا۳۸ا۱ء

یہ دکن کا ایک چھوٹا خاندان تھا جس نے چالوکیان کلیانی کو مغلوب کر کے دکن کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اگرچہ اس خاندان کے بزرگ ناسک کے قریب حکمران تھے اور بجل دوم کے عہد تک چالوکیوں کے باجگزار کی حیثیت میں موجود تھے لیکن اس خاندان کا حقیقی اقتدار اس وقت ہوا جب کہ بجل دوم نے ۱۱۵۷ء میں تیلپ سوم چالوکی کو مغلوب کر دیا۔ بجل کے صرف تین جانشینوں نے ۱۱۸۳ء تک حکومت کی اور اسی زمانے میں چالوکیوں نے پھر اپنی سلطنت سنبھال لی۔ خاندان کلچوری کو "ہے ہے" بھی کہتے ہیں۔ جہاسرارجن سے جن کا ذکر پرانوں میں آتا ہے ان کا نسلی رشتہ تھا۔ اس خاندان کا ذکر سمدرگپت کے مشہور کتبے میں پایا جاتا ہے جو الہ آباد میں موجود ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں اس خاندان کے لوگ وسط ہندوستان میں حکومت کرتے تھے۔

راجہ بجل دوم اس خاندان کا سب سے زیادہ اقبالمند راجہ تھا۔ بیل ان کا نشان سلطنت تھا۔

لہ بدھ کے بعد کنم تک راجاؤں کے نام نہیں ملتے اس لئے دونوں کے درمیان نقطے لگائے گئے ہیں۔

لہ۲ بجل دوم سے پہلے کے لوگ برائے نام تھے۔ اس خاندان کی عظمت بجل دوم کے عہد سے شروع ہوئی۔

(۸) خاندان یادو

۱۱۹۰ء تا ۱۳۱۸ء

چالوکیہ خاندان کے زوال کے بعد یادو راجگان شمال مغربی دکن میں جو اب مہاراشٹر کہلاتا ہے قابض ہو گئے۔ غالباً یہ لوگ یہاں چالوکیوں کے زمانے میں صوبہ دار تھے۔ اور یدو نامی ایک قدیم راجہ کی اولاد میں سمجھے جاتے ہیں جس کا ذکر پرانوں میں آتا ہے چنانچہ یدو کے نام سے یہ لوگ یادو کہلاتے ہیں[1]۔ اور شمال سے دکن میں آکر مسلط ہو گئے۔ جس شخص نے مہاراشٹر میں یادو خاندان کی بنیاد ڈالی وہ راجہ بھیلم ہے۔ اسی نے دیوگری کا شہر بنایا تھا جو اس خاندان کا پایۂ تخت ہو گیا اس نے ۱۱۸۷ء سے ۱۱۹۰ء تک حکومت کی قرائن یہ ہیں کہ وہ چالوکیوں کا صوبہ دار ہوگا لیکن اس کے جانشین خود مختار ہو گئے۔ راجہ بھیلم کے آٹھ جانشین گزرے ہیں لیکن آخری تین راجہ یعنی رامچندر جس کو مسلمان مورخ رام دیو لکھتے ہیں اور شنکر دیو اور ہرپال دیو خلجیوں کے باجگذار ہو گئے کیونکہ ۱۲۹۴ء میں علاءالدین خلجی نے دیوگری پر حملہ کر دیا۔ رامچندر نے اس کی اطاعت اختیار کر لی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوگری مسلمان حملہ آوروں کا مستقر بن گئی۔ بالآخر مبارک شاہ خلجی نے ۱۳۱۸ء میں ہرپال دیو کو جو رامچندر کا داماد تھا قتل کر کے دیوگری کو سلطنت دہلی میں ضم کر لیا۔

[1] کرناٹک کے ہوے سل راجگان اور میسور کے موجودہ راجگان بھی یادو کہلاتے ہیں لیکن ان کو دیوگری کے یادو خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ملوگی

(۱) بھیلم
۱۱۹۰-۱۱۹۱ء

(۲) جیتر پال اول یا بھینوگی
۱۱۹۱ء تا ۱۲۱۰ء یا ۱۲۱۱ء

(۳) سینگھن
۱۲۱۰ء یا ۱۲۱۱ء تا ۱۲۴۶ یا ۱۲۴۷ء

جیتر پال دوم
حکومت نہیں کی

(۵) مہادیو
۱۲۵۹ یا ۱۲۶۰ ۱۲۷۱ء
آمن

(۴) کرشنا
(کنھر یا کندھر)
۱۲۴۶ یا ۱۲۴۷ تا ۱۲۵۹ یا ۱۲۶۰ء

رام چندر یا رام دیو[۱]

شنکر (شنکر دیو)
۹-۱۳۱۲ تا ۱۳۱۲ء

دختر (اس کی ہر پال دیو سے شادی ہوئی تھی
۱۳۱۶ء میں مبارک خلجی نے اس کا خاتمہ کر دیا)

[۱] چونکہ رامچندر یا رام دیو اور اس کے دو جانشین دہلی کے باجگزار ہو گئے تھے اس لیے ان پر نشان سلسلہ نہیں دیا گیا کیونکہ یہ خود مختار راجہ نہیں تھے۔

۹۔ خاندان کاکتیا

۱۱۶۳ء تا ۱۳۲۳ء

جب چالوکی سلطنت کمزور ہوگئی تو یہ خاندان مشرقی دکن میں جو تلنگانہ یا آندھرا ہے خود مختار ہوگیا۔ یہ پہلے چالوکیوں کے صوبہ دار تھے لیکن چالوکی سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے مربیوں سے برسرپیکار ہوگئے چنانچہ راجہ پرول دوم نے جس کی ۱۱۱۷ء سے ۱۱۶۳ء تک عملداری تھی چالوکیوں سے کئی لڑائیاں لڑیں اور اس کا بیٹا پرتاب رودر دیوا ول تقریباً ۱۱۹۰ء کے قریب خود مختار ہوگیا گو وہ ۱۱۶۳ء میں اپنے باپ کا جانشین ہوگیا تھا۔ راجہ پرول سے لے کر پرتاب رودر ثانی کے زمانے تک اس خاندان کے پانچ راجاؤں نے حکومت کی۔ ۱۳۲۳ء میں سلطان محمد تغلق نے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ ان کا پائے تخت ورنگل یا ہنمکنڈہ تھا۔ کاکتیا کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہے ممکن ہے کہ یہ کسی جگہ سے موسوم ہوں۔ اگرچہ پرتاب رودر دیو کے دو جانشین کرشن اور ونائک باقی رہے اور مسلمانوں کے خلاف جو اتحاد ہوا تھا اس میں شریک ہوئے تھے لیکن ورنگل کی راجدھانی سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔

(۱) دُرجے
(۲) پرول مل دوم
(۳) تری بھوون مل بیٹ (دوئم)
(۴) پرول دوم یا پروڈ
۱۱۱۷ء تا ۱۱۶۳ء
(۵) پرتاپ رودر اول
۱۱۶۳ء تا ۱۱۹۹ء
مہادیو
(تین اور بیٹے)
(۶) گن پتی
۱۱۹۹ء تا ۱۲۶۰ء
میلالا (دختر)
(۷) رودراما (دختر)
۱۲۶۰ء تا ۱۲۹۱ء
گن پامبیکا (دختر)
ممڈمبا (دختر) اہلیہ مہادیو
پرتاپ رودر دوم
۱۲۹۱ء تا ۱۳۲۳ء
انم دیو
کرشنا یا ویر بھیدرا
ونایک
۱۳۶۴ء میں محمد شاہ بہمنی کے ہاتھوں مارا گیا۔
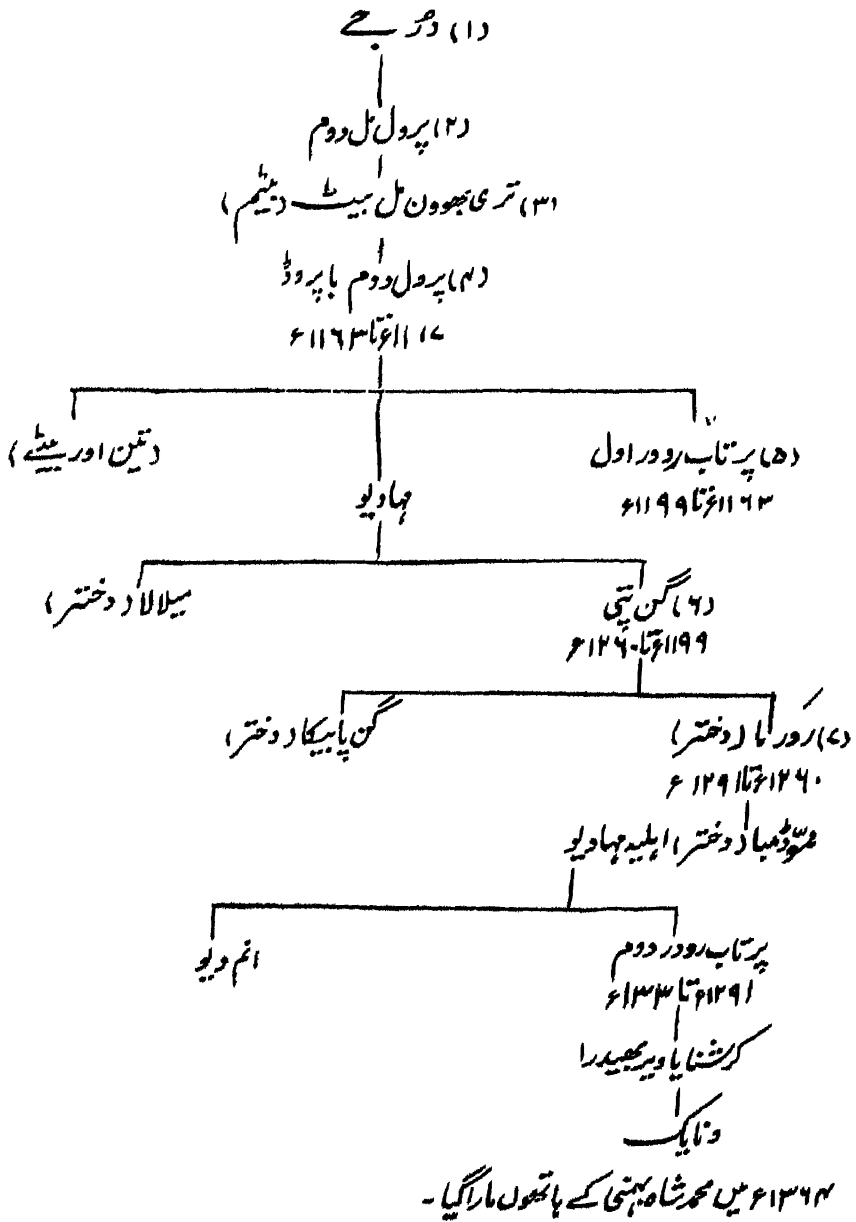
۱۰۔ خاندان ہوئے سل

۱۰۴۳ء تا ۱۳۲۷ء

یہ راجگان بھی پہلے کرناٹک میں جہاں انھوں نے اپنی راجدھانی قائم کرلی چالوکیوں کے صوبہ دار تھے۔ اگرچہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ نری پاکم تھا جس نے ۱۰۲۲ء سے ۱۰۴۰ء تک کرناٹک میں صوبہ داری کی تھی لیکن چھٹے راجہ بلال دوم کے عہد میں اس خاندان کو فروغ ہوا جبکہ چالوکی اور کلچوری کمزور ہوگئے۔ بلال دوم نے ۱۱۹۰ء میں کلچوریوں کے اکثر مقبوضات چھین لئے اور مستقل راجدھانی قائم کرلی۔ یہ کرناٹک کی سلطنت تھی جس کا پائے تخت دوارتی پوریا دوارسمد تھا جو اب ریاست میسور کے شمالی ضلع ہیلے بید میں واقع ہے اگر ابتدائی صوبہ داروں کو شامل کیا جائے تو اس خاندان کے گیارہ راجہ گزرے ہیں۔ آخری راجہ بلال سوم کا سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں خاتمہ کردیا اور یہ سلطنت دہلی میں ضم ہوگئی یا دوسری روایت سمجھی جائے تو سلطان محمد تغلق نے تو اس راجدھانی کا خاتمہ کردیا تھا لیکن بلال سوم والی مدورا غیاث الدین کے ہاتھوں سے ۱۳۴۳ء میں مارا گیا۔

ہوئے سل کا وجہ تسمیہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس خاندان کا ایک قدیم راجہ سل نامی تھا۔ ایک روز یہ اپنے گرو سے ملنے کے لیے گیا۔ جس وقت یہ اپنے گرو کے پاس پہنچا تو اتفاق سے وہاں ایک آدم خوار شیر بھی آگیا۔ شیر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ گرو نے راجہ سل کو اپنا ایک ہتھیار دے کر کہا کہ "ہوئے سل"۔ "ہوئے" کے معنی کنڑی زبان میں "مار" کے ہوتے ہیں یعنی اے راجہ سل تو شیر کو مار۔ جب سل نے شیر کو مار دیا تو اس واقعہ سے اس خاندان کا نام ہوئے سل ہوگیا۔ اس خاندان کو بلال خاندان بھی کہتے ہیں اور بلال کے معنی بہادر کے ہیں

(۱) نرپ کام یا راچل پرمادی

(۲) دنیاجیت
یرلے نیک

(۳) بلال اول
(۹) ۱۱۰۰ء تا ۱۱۰۶ء

(۴) وشنو وردھن
۱۱۰۶ء تا ۱۱۴۱ء

اودے جیت
۱۱۲۲ء میں ہوا

نرسمہا اول
۱۱۴۱ء تا ۱۱۷۳ء

(۶) بلال دوم
۱۱۷۳ء تا ۱۲۲۰ء

(۷) نرسمہ دوم
۱۲۲۰ء تا ۱۲۳۵ء

(۸) سومیشورا یا سوئی دیو

(۹) نرسمہ سوم
۱۲۵۴ - ۱۲۹۱ء

پونم بالا (دختر)

(۱۰) رام ناتھ
۱۲۵۵ - ۱۲۹۵ء

(۱۱) بلال سوم
۱۲۹۱ء تا ۱۳۴۳ء

سوما

لی دیو

وشنو ناتھ
۱۲۹۴ء

من جیا گمبتر

بلال چہارم
۱۱ راگست ۱۳۴۳ء میں گدی نشین ہوا لیکن
برائے نام حکومت کی۔ اور راجدھانی پر بیجانگر
کا قبضہ ہوگیا۔

تیارس بھیرو

حصہ دوم

دورِ وسطیٰ

۱۱ - خاندان بیجانگر

۱۳۳۶ء تا ۱۵۶۵ء

۷۳۶ھ تا ۹۷۲ھ

جب مسلمان حملہ آوروں نے دکن کی تمام ہندو طاقتوں کا خاتمہ کر دیا تو ان طاقتوں کے منتشر افراد نے اپنی بقا کی کوشش کی اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے آپس میں ایکا کیا۔ چنانچہ ۱۳۳۴ء کے بعد جب کہ کرناٹک کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو اس سلطنت کے آخری راجہ بلال سوم نے اس اتحاد کی رہنمائی کی جس میں اس زمانے کے مشہور گرو مادھو ایاریہ کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ جب بلال سوم کا خاتمہ ہوا تو اس کے صوبہ دار ہری ہر اور بکا نے اس اتحاد کو قائم رکھا اور گرو کے مشورے سے تنگبھدرا کی وادی میں ۱۳۳۶ء میں ایک نئی سلطنت قائم کر دی جو بیجانگر کے نام سے مشہور ہوئی اور ۱۵۶۵ء تک دو سو سال سے زیادہ قائم رہی۔ اس سلطنت پر تین خاندانوں نے حکومت کی اور وہ یہ ہیں۔

۱ - خاندان سنگم۔ اس خاندان کے بانی ہری ہر اور بکا دو بھائی تھے چونکہ ان کے باپ کا نام سنگم تھا اس لیے یہ خاندان اسی نام سے موسوم ہوا۔ اس خاندان کے نو راجہ گزرے ہیں آخری راجہ ویرو پاکشا کو اس کے ایک فوجی افسر نے جس کا نام سالوو نرسمہا تھا علیحدہ کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور ایک نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

۲ - خاندان سالووا۔ یہ خاندان جس کو نرسمہا نے قائم کیا تھا صرف ۱۵۰۵ء (۹۱۱ھ) تک حکمران رہا۔ اس کے صرف تین راجہ ہیں یعنی نرسمہا کے دو بیٹوں نے حکومت کی۔ دوسرے بیٹے امادی نرسمہا کو تولووا نرسا نائک نامی وزیر نے ۱۵۰۵ء (۹۱۱ھ) میں بیدخل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی

۳ - خاندان تولووا۔ یہ خاندان جس کو نرسا نائک نے قائم کیا تھا ۱۵۶۵ء (۹۷۲ھ) تک حکمران رہا

اور اس کے چھ راجہ گزرے ہیں۔ منجملہ اس کے کرشنا دیو رائے بہت اقبالمند تھا اور اس کی دکن میں دور دور تک شہرت تھی۔ لیکن آخری راجہ سداشو رائے اس قدر کمزور ہوگیا کہ اس سے فائدہ اٹھاکر اس کا وزیر رام راج سلطنت پر حاوی ہوگیا اور اس کے عہد میں دکن کی اسلامی سلطنتوں نے اتحاد کرکے ۱۵۶۵ء ۹۷۲ میں بیجانگر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا۔ اگرچہ رام راج اور سداشو رائے کے جانشین کئی سال تک پنگنڈہ میں راج کرتے رہے لیکن بیجانگر کی اصل عظمت کبھی نہیں پلٹی جس متحدہ طاقت نے بیجانگر پر حملہ کیا تھا اس میں بیجاپور احمدنگر گولکنڈہ اور بیدر شامل تھے۔

خاندان سنگم
۱۳۳۶ء تا ۱۴۸۵ء
۷۳۷ھ تا ۸۹۰ھ
سنگم اول
(۱) ہری ہر اول
۱۳۳۶ تا ۱۳۵۵ء
کمپنا اول
(۲) اُکّا بک اول
۱۳۵۵ء تا ۱۳۷۷ء
مارپّا
ساونا دوم
مدپّا
ساونا اول
(۱۳۵۱ء تا ۱۳۶۴ء)
سنگم دوم
(۱۳۴۰ء تا ۱۳۶۰ء)
(۳) ہری ہر دوم
۱۳۷۷ء تا ۱۴۰۴ء
کمپنا دوم
حکومت نہیں کی
ویروپنا یا ویروپاکشا اول
(۱۳۵۴ء تا ۱۳۷۸ء)
بھاسکر بھووور
اودے گری پر حکومت کی
ملی ناتھ
(۱۳۶۲ء)
چن اپا
۱۳۹۷ء
(اور دیگر)
(۴) بک دوم
۱۴۰۴ء تا ۱۴۰۶
بھوپتی اودے یار
(۱۳۸۲ء تا ۱۴۰۹ء تا ۱۴۲۲ء)
ویروپاکشا دوم
(۵) دیو رائے
(۱۴۰۶ء تا ۱۴۲۲ء)
چیکا رائے
جومنّا
(۱۳۷۹ء)
ملپّا یا ملنّا
(۱۴۲۱ء تا ۱۴۲۱ء)
(۶) وجیئے یا بک سوم
چند ماہ حکومت کی (۱۴۲۲ء)
ہری ہر سوم
رام چندر
اودے گری پر حکمرانی کی
(۱۴۰۷ء تا ۱۴۱۶ء)
ہری ما (دختر)
(۷) دیو رائے دوم یا ابھی نو یا پراوڑھ پرتاب
۱۴۲۲ء تا ۱۴۴۶ء
سری گیر نیدر یا پردت رائے
۴۲-۱۴۴۳ء میں مارا گیا
(۸) ملکارجن یا پراوڑھ پرتاب ”امارٹی“ وجیئے
۱۴۴۶ء تا ۱۴۶۵ء
(۹) ویروپاکشا سوئم
۸ نومبر ۱۴۶۵ء میں گدی نشین ہوا۔ غالباً ۱۴۸۶ء میں سالوا نرسمہا نے
حکومت چھین لی اور اسے مار بھگایا
پراوڑھ دیو

خاندان سالووا

۱۴۸۵ء تا ۱۵۰۵ء

۸۹۰ھ تا ۹۱۱ھ

سالووا نرسمہ اول

۱۶ - ۱۵ ۱۴ تا ۹۳-۱۴۹۲ء

امادی نرسمہ

یا نما یا نتیا ، ر د ج م ا ش ،

۱۵۰۵ء میں قتل ہوا۔

تلووا وزیر نرسا نائک نے حکومت چھین لی۔
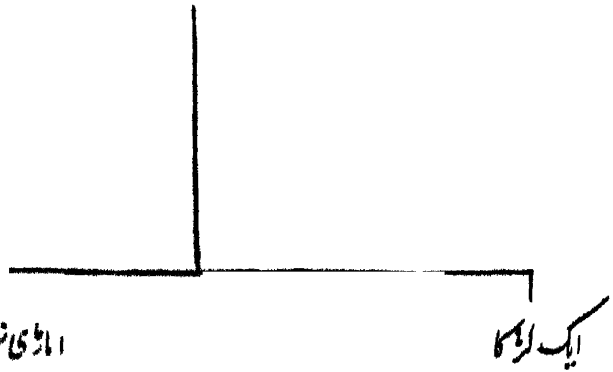
ایک لڑکا

یہ تیم ارسن نامی ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا

تمّا

ایشور یا ایشی یا لک

(۱) نرسا نایک

(۵ ۱۵ء)

(۲) ویرا نرسمہا (ایمّڈی بل رائے) ۱۵۰۶ء تا ۱۵۰۹ء

(۳) کرشنا دیو رائے ۱۵۰۹ء تا ۱۵۲۹ء

(۴) اچیوت ۱۵۲۹ء تا ۱۵۴۲ء

رانگ

(۵) وینکٹا دری (۱۵۴۲ء میں مارا گیا)

(۶) سداشیو (۱۵۴۲ء تا ۱۵۷۰ء(؟))

ترومل

ترو ملامبا (دختر)

ونگالا (دختر)

۱۲۔ خاندان بہمنی

۱۳۴۷ تا ۱۵۲۶ء

۷۴۸ تا ۹۳۴

اس خاندان کا بانی علاؤالدین بہمن شاہ ہے جس کا اصلی نام ظفر خاں تھا۔ جب محمد تغلق
کی حکومت کمزور ہو گئی تو دوسرے صوبوں کی طرح دکن بھی دہلی سے علیحدہ ہو گیا۔ امیران صدہ جو دکن کے
نظم و نسق کے ذمہ دار تھے اپنی بادشاہی کے لیے پہلے اسمٰعیل مخ کو نامزد کیا۔ جب تین سال کے
بعد اسمٰعیل مستعفی ہو گیا تو ظفر خاں کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا جس کو دکن کا پہلا بادشاہ سمجھنا چاہیے۔
اس کے متعلق مورخ فرشتہ کہتا ہے کہ یہ دہلی کے ایک ہندو برہمن گنگو بہمن کا نوکر تھا۔ چنانچہ اسی نسبت سے
اس نے علاؤالدین حسن گنگو بہمنی کا لقب اختیار کیا تھا لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ سکوں اور کتبوں میں کہیں
گنگو کا لفظ نہیں پایا جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ علاؤالدین حسن ایران کے مشہور بادشاہ بہمن بن اسفندیار کی
اولاد سے ہے اسی لیے یہ اور اس کے تمام جانشین اپنے کو بہمن شاہ کہتے تھے اور یہی الفاظ تمام سکوں اور
کتبوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ خاندان بہمنی کہلاتا ہے۔

پہلے اس سلطنت کی بنیاد دولت آباد میں رکھی گئی تھی جو اس وقت دکن کا مرکز تھا لیکن علاؤالدین حسن
بہمن شاہ نے بہت جلد دولت آباد کو چھوڑ کر گلبرگہ کو اپنا پائے تخت بنا لیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ گلبرگہ
اس سلطنت کی جنوبی سرحد سے جس کے نیچے سلطنت بیجانگر تھا نہایت قریب پڑتا تھا۔ اور بہمنی بادشاہوں
کو اس جنوبی سلطنت سے ہمیشہ باخبر رہنا پڑتا تھا کیونکہ یہ بہت طاقتور تھی۔ برخلاف اس کے شمال سے
ان کو کوئی ڈر نہیں تھا۔ فیروز شاہ کے عہد تک جو اس خاندان کا آٹھواں بادشاہ ہے یہ لوگ گلبرگہ میں

راج کرتے رہے ان کے مقبرے گلبرگے میں ہیں لیکن جب اس کا بھائی احمد شاہ ولی بہمنی اپنے بھائی کو شکست دے کر ۱۴۲۲ء/۸۲۵ھ میں بادشاہ ہو گیا تو اس نے ۱۴۳۰ء/۸۳۳ھ میں گلبرگے کو چھوڑ کر بیدر کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا جو بہت اونچی اور خوشگوار جگہ تھی اور اس نئے پایۂ تخت کو بہت رونق دی گئی چنانچہ آخری زمانے یعنی ۱۵۲۶ء/۹۳۲ھ تک یہی بہمنیوں کا پایۂ تخت رہا اور یہاں احمد شاہ اور اس کے ۹ جانشینوں نے حکومت کی گو آخری پانچ سلاطین برائے نام ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دس سلاطین کے مقبرے بیدر میں ہیں اس طرح سے اس خاندان بہمنی کے دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ ایک خاندان گلبرگہ دوسرے خاندان بیدر۔ جب آخری بادشاہ کلیم اللہ بریدوں کی ناحق شناسی سے تنگ آ کر بیدر سے بھاگ گیا تو خاندان بہمنی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

———— ❊ ————

خاندان بہمنی (گلبرگہ)

علاء الدین حسن بہمن شاہ
۱۳۴۷ء تا ۱۳۵۸ء
۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ
(۱)

(۲) محمد شاہ اول
۱۳۵۸ء تا ۱۳۷۵ء
۷۵۹ھ تا ۷۷۶ھ

(۴) داؤد شاہ
۱۳۷۸ء تا ۱۳۷۸ء
۷۷۹ھ تا ۷۸۰ھ

احمد خاں

محمود خاں

(۳) مجاہد شاہ
۱۳۷۵ء تا ۱۳۷۸ء
۷۷۶ھ تا ۷۷۹ھ

فتح خاں

روح پرور آغا (دختر)

محمد سنجر

(۸) فیروز شاہ
۱۳۹۷ء تا ۱۴۲۲ء
۸۰۰ھ تا ۸۲۵ھ

(۹) احمد شاہ ولی بہمنی

حسن خاں

مبارک خاں

(۵) محمد شاہ دوم
۱۳۷۸ء تا ۱۳۹۷ء
۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ

(۶) غیاث الدین
۱۳۹۷ء
۷۹۹ھ

(۷) شمس الدین
۱۳۹۷ء
۷۹۹ھ

دختر
روجہ فیروز شاہ

دختر
زوجہ احمد شاہ
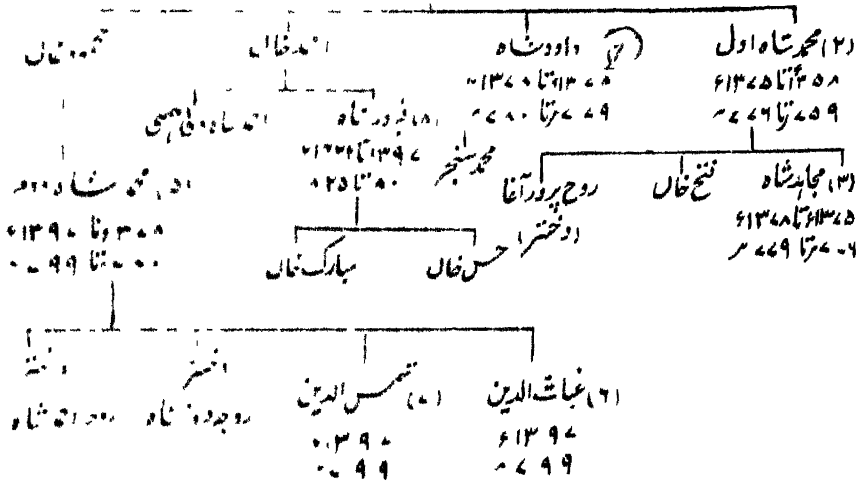
بہمنی سلاطین کے شجرے میں بہت اختلاف ہے۔ ہر مورخ اپنا خیال پیش کرتا ہے۔ فرشتہ علاء الدین بہمن شاہ کے تین بیٹے بتاتا ہے۔ احمد خاں کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ برہان ماثر اور تذکرۃ الملوک کے مولف داؤد خاں کو محمد خاں کا بیٹا اور علاء الدین حسن کا پوتا بتاتے ہیں اور تذکرہ ہفت اقلیم کی رو سے علاء الدین حسن کے دو بیٹے تھے۔ محمد شاہ اور محمد خاں۔ اور محمد شاہ دوم اور داؤد شاہ کو وہ محمد خاں کے بیٹے لکھتا ہے۔ لیکن سکوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخوں کا خیال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ شجرہ جو یہاں درج ہے زیادہ صحیح ہے۔

چھٹے اور ساتویں بادشاہ غیاث الدین اور شمس الدین نے صرف چند مہینے حکومت کی تھی یہ دونوں ایک ہی سال تخت نشین ہوئے اور علیحدہ بھی کر دیے گئے۔

خاندان بہمنی (بیدر)

(۹) شہاب الدین احمد شاہ ولی بہمنی
۱۴۲۲ء تا ۱۴۳۶ء
۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ

(۱۰) ظفر خاں (علاؤ الدین احمد شاہ ثانی) — داؤد — محمود — محمد
۱۴۳۶ء تا ۱۴۵۸ء
۸۳۹ھ تا ۸۶۲ھ

(۱۱) ہمایوں شاہ — حسن خاں — یحییٰ خاں
۱۴۵۸ء تا ۱۴۶۰ء
۸۶۲ھ تا ۸۶۵ھ

(۱۲) نظام شاہ
۱۴۶۱ء تا ۱۴۶۳ء
۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ

(۱۳) محمد شاہ سوم (لشکری)
۱۴۶۳ء تا ۱۴۸۲ء
۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ

جمشید یا احمد خاں

(۱۴) محمود شاہ
۱۴۸۲ء تا ۱۵۱۸ء
۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ

(۱۵) احمد شاہ ثانی
۱۵۱۸ء تا ۱۵۲۱ء
۹۲۴ھ تا ۹۲۷ھ

(۱۶) علاء الدین شاہ سوم
۱۵۲۱ء تا ۱۵۲۲ء
۹۲۷ھ تا ۹۲۸ھ

(۱۷) ولی اللہ
۱۵۲۲ء تا ۱۵۲۵ء
۹۲۸ھ تا ۹۳۱ھ

(۱۸) کلیم اللہ
۱۵۲۵ء تا ۱۵۲۷ء
۹۳۱ھ تا ۹۳۴ھ

بعض مورخ احمد شاہ ثانی (۱۵) کو محمد شاہ کا بھائی بتاتے ہیں اور بعض لوگ علاء الدین سوم کو احمد شاہ ثانی کا بیٹا لکھتے ہیں لیکن سکوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد شاہ دوم علاء الدین سوم و اور کلیم اللہ سب محمد شاہ کے بیٹے تھے۔

(۱۳) خاندانِ عماد شاہی (برار)

۱۴۹۰ء تا ۱۵۷۴ء

۸۹۵ھ تا ۹۸۲ھ
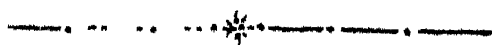
اس خاندان کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے جس کے باپ دادا ہندو تھے۔ اور یہ روایت مشہور ہے کہ یہ احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد میں بیجانگر کی لڑائیوں میں گرفتار ہو کر بیدر آیا تھا[1]۔ اور برار کے سر لشکر خاں جہاں کو بطور غلام دیا گیا لیکن خانجہاں نے اس کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت کی جس کی بدولت وہ ایسا لائق ہوا کہ خانجہاں کا معتمد ہو گیا۔ محمد شاہ لشکری کے عہد میں جب خانجہاں کا انتقال ہو گیا تو اس نے اپنی ترقی کے لیے خواجہ محمود گاواں کی سرپرستی اختیار کی جو اس زمانے میں بہمنی سلطنت کا وزیر تھا۔ محمود گاواں نے بھی اس کی قدر کی چنانچہ بہمنی دربار سے اس کو عماد الملک کا خطاب دلایا گیا اور ۱۴۷۱ء ۸۷۶ھ میں جب کہ محمد گاواں نے کونکن کی فتوحات کے بعد مختلف صوبہ داروں کو مامور کیا تو فتح اللہ کو برار کی گورنری دی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ فتح اللہ برار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اور جب ۱۴۸۰ء ۸۸۵ھ میں محمد گاواں نے سلطنت کے چار صوبے تقسیم کر کے آٹھ صوبے کر دیے تو برار کے بھی دو حصے قرار

---

[1] بعض مورخ اس کو راجگان بیجانگر کی اولاد سے بتاتے ہیں جو غالباً صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ولی بہمنی کے عہد حکومت میں اس کا گرفتار ہو کر آنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ احمد شاہ کے عہد سے محمود شاہ تک جبکہ اس کی ترقی ہوئی ہے ایک طویل زمانہ ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ احمد شاہ کے عہد میں آیا تھا تو ۱۴۹۰ء ۸۹۶ھ میں اس کی عمر ۹۰ سال سے متجاوز ہو گی حالانکہ وہ اس قدر بڈھا نہیں تھا۔ اس لیے غالباً وہ علاء الدین ثانی کے عہد میں آیا ہو گا۔

پائے تھے۔ شمالی برار گاویل اور جنوبی ماہور۔ گاویل پر عماد الملک اور ماہور پر خداوند خاں حبشی مامور ہوئے۔ اور جب ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں محمود گاواں کا قتل ہو گیا اور اس کے ہمدرد محمد شاہ لشکری سے منحرف ہو گئے تو یہ بھی سرکش ہو گیا اور یوسف عادل خاں کی طرح بادشاہ کے پاس آنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ محمود گاواں کے فرقے میں شامل تھا۔ محمد شاہ لشکری کے انتقال کے بعد جو ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں ہوا تھا ملک حسن نظام الملک نے اس کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بارآور نہیں ہوئی۔ ۸۹۲ھ/۱۴۸۶ء میں ملک حسن کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء میں دوسرے صوبہ داروں کی طرح فتح اللہ عماد الملک بھی خودمختار ہو گیا اور نئے خاندان کی بنیاد ڈالی۔

کئی سال تک برار کے دو حصے تھے ایک حصہ پر خداوند خاں حبشی قابض تھا مگر فتح اللہ کے بیٹے علاء الدین عماد شاہ نے امیر علی برید کے حملے سے فائدہ اٹھا کر جو ماہور پر ہوا تھا ۹۲۴ھ/۱۵۱۷ء میں پورے برار پر قبضہ کر لیا اور عماد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اسی لقب سے یہ خاندان عماد شاہی کہلاتا ہے۔ تاہم برار کی ایک چھوٹی سلطنت تھی جو کبھی اپنی ہمسایہ سلطنتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی چنانچہ ۹۳۴ھ/۱۵۲۷ء میں برہان نظام شاہ والی احمد نگر کا ایک ایسا حملہ ہوا تھا کہ علاء الدین عماد شاہ کو برار چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کو بڑی مشکل سے سلطنت واپس ملی۔ اس کے بعد جب ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء میں علاء الدین کے بیٹے دریا عماد شاہ کا انتقال ہو گیا تو یہ سلطنت اور بھی کمزور ہو گئی کیونکہ اس کا ایک کمسن بیٹا برہان اس کا جانشین ہوا۔ اس بچے کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر اس کا وزیر تفال خاں ۹۷۲ھ/۱۵۶۴ء میں سلطنت پر قابض ہو گیا۔ یہ بھی احمد نگر کی تاب نہیں لا سکا اس لئے کبھی شہنشاہ اکبر سے اور کبھی بریدیوں سے مدد مانگی۔ مگر مرتضیٰ نظام شاہ اول والی احمد نگر نے ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء میں برار پر قبضہ کر کے عماد شاہی خاندان ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

(۱) فتح اللہ عماد شاہ

۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۴ء

۸۹۵ھ تا ۹۱۰ھ

(۲) علاء الدین عماد شاہ

۱۵۰۴ء تا ۱۵۲۹ء

۹۱۰ھ تا ۹۳۰ھ

(۳) دریا عماد شاہ

۱۵۲۹ء تا ۱۵۶۲ء

۹۳۰ھ تا ۹۸۰ھ

(۴) برہان عماد شاہ

۱۵۶۲ء تا ۱۵۶۴ء

۹۸۰ھ تا ۹۰۲ھ

دولت شاہ (دختر)

زوجہ حسین نظام شاہ والی احمد نگر

تفال خاں (غاصب)

۱۵۶۴ء تا ۱۵۷۴ء

۹۷۲ھ تا ۹۸۲ھ

بادشاہوں کے علاوہ اس خاندان کے اور افراد کا پتہ نہیں چلتا۔

(۱۴) خاندان نظام شاہی (احمد نگر)

۱۴۹۰ء تا ۱۶۳۳ء
۸۹۵ھ تا ۱۰۴۳ھ

اس خاندان کا اصل بانی ملک حسن نظام الملک بحری ہے جو محمود گاواں کے مقابلے میں دکھنی فریق کا رہنما تھا یہ اور اس کے باپ دادا پاتھری[1] کے پٹواری اور ذات کے برہمن تھے۔ ملک حسن کا اصل نام تما بھٹ بتایا جاتا ہے۔ کسی قحط کی وجہ سے ملک حسن اور اس کے ماں باپ بجیانگر بھاگ گئے تھے۔ لیکن علاء الدین ثانی کے عہد میں بجیانگر سے جو لڑائیاں ہوئیں[2] تو ان میں یہ گرفتار ہو کر بیدر آیا تھا اس وقت یہ بہت کمسن تھا۔ بیدر میں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی اور ہمایوں بہمنی کے عہد میں اس کو محمد شاہ لشکری کے ساتھ رکھا گیا۔ چنانچہ ملک حسن ہمیشہ تعلیم اور کھیل کود میں شاہزادے کے ساتھ شریک رہتا تھا اس طریقے سے محمد شاہ سے اس کے گہرے تعلقات ہو گئے اور جب محمد شاہ لشکری ۱۴۶۳ء ۸۶۷ھ میں بادشاہ ہوا تو بادشاہ کی قربت سے فائدہ اٹھا کر یہ بہت ترقی کر گیا چنانچہ نظام الملک بحری اس کا خطاب ہو گیا اور اس کو تلنگانے کی صوبہ داری ملی اور اس کے بیٹے ملک احمد کو ماہور میں جاگیر دی گئی۔ محمود گاواں اسی کی سازش سے ۱۴۸۱ء ۸۸۶ھ میں قتل ہوا۔ اس کی

---

[1] ۔ پاتھری موجودہ پربھنی سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر دریائے گوداوری کے قریب واقع ہے۔

[2] ۔ اکثر تاریخوں میں ملک حسن کا احمد شاہ ولی کے عہد میں گرفتار ہونا بتایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ احمد شاہ کے عہد میں گرفتار ہو کر آیا تھا تو محمد شاہ لشکری کے عہد میں اس کی عمر بہت ہونی چاہئے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ محمد شاہ لشکری کا ہمعمر تھا۔

وجہ یہ تھی کہ محمود گاواں ترکوں اور ایرانیوں کی سیاست کا نشانہ بنا تھا کیونکہ اہل ملک مخالف تھے۔ ان کے قتل
کے بعد محمود گاواں کی وزارت ملک حسن کو ملی اس نے اپنے بیٹے ملک احمد کو بادشاہ سے نظام الملک کا
خطاب دلا کر کے دولت آباد کا صوبہ دار بنایا تھا جو اس کی اپنی ترقی کا باعث ہوا۔ محمد شاہ کے
انتقال کے بعد اس کے جانشین محمود شاہ سے ملک حسن کی ان بن ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
سنہ ۱۴۸۶ء / ۸۹۱ھ میں یہ بھی محمود گاواں کی طرح بیدر میں قتل ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر اس کا بیٹا ملک احمد
نظام الملک سنہ ۱۴۹۰ء / ۸۹۵ھ میں اپنے صوبے میں خود مختار ہو گیا۔ پہلے تو جنیر اس کا پایۂ تخت تھا لیکن بعد کو
اس نے دریائے گوداوری سے قریب اپنے نام سے ایک نیا شہر آباد کیا جو اس جدید سلطنت کا
پایۂ تخت قرار پایا چونکہ احمد کے جانشینوں نے نظام شاہ لقب اختیار کر لیا تھا اس لیے یہ خاندان
نظام شاہی کہلاتا ہے۔ اس خاندان کے گیارہ بادشاہ گزرے ہیں۔

حسین نظام شاہ اول کے عہد تک جو اس خاندان کا تیسرا بادشاہ ہے یہ سلطنت بہت
ترقی کرتی گئی حسین نظام شاہ ہی جنگ تالیکوٹ کا فاتح ہے لیکن اس کی وفات کے بعد جو سنہ ۱۵۶۵ء / ۹۷۲ھ
میں ہوئی تھی اس کے کمزور جانشینوں کی وجہ سے اس سلطنت کو بہت نقصان پہنچا اس کا بیٹا مرتضیٰ
نظام شاہ اور پوتا حسین نظام شاہ ثانی نا اہل ثابت ہوئے آخر الذکر کی کوئی اولاد نہیں تھی اور
حسین نظام شاہ اول کا بھائی برہان نظام شاہ شہنشاہ اکبر کے دربار میں تھا تو اس کے بیٹے
اسمٰعیل نظام شاہ کو تخت نشین کر دیا گیا لیکن اس خبر سے خود برہان شمال سے بھاگ آیا اور ایک سال
کے اندر تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کی حکومت بھی جو صرف چار سال رہی کچھ کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے
مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے ابراہیم نظام شاہ کو تخت نشین کیا گیا۔ یہ بھی ایک سال کے اندر
بیجاپور کی ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اس کا جانشین ایک شیر خوار بچہ بہادر نظام شاہ تھا جس کو ملک کے
ایک فریق نے بادشاہ نہیں مانا بلکہ اس کے مقابلے میں شاہ طاہر کے ایک بیٹے کو جس کا نام احمد تھا

بادشاہی کے لیے کھڑا کردیا۔ اس طرح اس وقت ملک کے گویا دو بادشاہ تھے اور دو فریق آپس میں لڑنے لگے۔ اسی زمانے میں مغلوں نے شمال سے حملہ کردیا۔ اگرچہ ۱۵۹۶ء/۱۰۰۴ھ میں چاند بی بی نے اسکی مدافعت کی اور چار سال تک اس سلطنت کو بچا لیا لیکن اس کے مرنے کے بعد ۱۶۰۰ء/۱۰۰۸ھ میں مغلوں نے قلعہ احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اور بہادر نظام شاہ کو قید کر کے شمال لیے گئے۔ تاہم نظام شاہی سلطنت کے اکثر علاقے باقی تھے جن کو مغل مسخر نہیں کر سکے ملک عنبر نے جو نظام شاہی سلطنت کا وفادار وزیر تھا اس سلطنت کی حفاظت اپنے ذمے لی اور حسین نظام شاہ کے بھائی شاہ علی کے بیٹے کو جس کا نام مرتضیٰ نظام شاہ ثانی ہے ۱۶۰۳ء/۱۰۱۲ھ میں بادشاہ بنا کر اس سلطنت میں از سر نو جان ڈال دی اس نے مغل فوجوں کو پے در پے شکستیں دیں اور اس سلطنت کو اپنی زندگی تک بچائے رکھا لیکن جب ۱۶۲۶ء/۱۰۳۶ھ میں اس کا انتقال ہوگیا تو اس کا بیٹا فتح خاں اس کا صحیح جانشین ثابت نہیں ہوا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شاہجہاں نے ۱۶۳۳ء/۱۰۴۴ھ میں اس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردیا اور آخری بادشاہ حسین نظام شاہ سوم کو جو مرتضیٰ کا بیٹا تھا قید کردیا۔

ملک حسن نظام الملک بحری

(۱) احمد نظام شاہ
۱۴۹۰ء تا ۱۵۰۹ء
۸۹۵ھ تا ۹۱۵ھ

(۲) برہان نظام شاہ
۱۵۰۹ء تا ۱۵۵۳ء
۹۱۵ھ تا ۹۶۰ھ

(۳) حسین نظام شاہ اول
۱۵۵۳ء تا ۱۵۶۵ء
۹۶۰ھ تا ۹۷۲ھ

عبدالقادر — شاہ علی — شاہ حیدر — محمد باقر — خدابندہ — حسن
حسین

(۴) مرتضیٰ نظام شاہ اول
۱۵۶۵ء تا ۱۵۸۶ء
۹۷۲ھ تا ۹۹۵ھ

(۵) حسین نظام شاہ ثانی
(میراں حسین)
۱۵۸۶ء تا ۱۵۸۹ء
۹۹۵ھ تا ۹۹۷ھ

(۷) برہان نظام شاہ دوم
۱۵۹۱ء تا ۱۵۹۵ء
۹۹۹ھ تا ۱۰۰۲ھ

قاسم — شاہ منصور — بی بی خدیجہ — بی بی جمال — چاند بی بی — آقا بی بی

بی بی خدیجہ: زوجہ حسن شاہ جمال الدین
بی بی جمال: زوجہ ابراہیم قطب شاہ والی گولکنڈہ
چاند بی بی: زوجہ علی عادل شاہ اول والی بیجاپور
آقا بی بی: زوجہ سید ابو ...

(۶) اسماعیل نظام شاہ
۱۵۸۹ء تا ۱۵۹۱ء
۹۹۷ھ تا ۹۹۹ھ

(۸) ابراہیم نظام شاہ
۱۵۹۵ء تا ۱۵۹۶ء
۱۰۰۲ھ تا ۱۰۰۴ھ

(۹) بہادر نظام شاہ
۱۵۹۶ء تا ۱۶۰۰ء
۱۰۰۴ھ تا ۱۰۰۹ھ

احمد غاصب
۱۵۹۶ء
۱۰۰۴ھ

(۱۰) مرتضیٰ نظام شاہ دوم
۱۶۰۳ء تا ۱۶۳۰ء
۱۰۱۲ھ تا ۱۰۴۰ھ

(۱۱) حسین نظام شاہ سوم
۱۶۳۰ء تا ۱۶۳۳ء
۱۰۴۰ھ تا ۱۰۴۳ھ

عام تاریخوں میں حسین نظام شاہ اول کے صرف دو بیٹے مرتضیٰ نظام شاہ اول اور برہان نظام شاہ دوم اور تین بیٹیاں بی بی خدیجہ، بی بی جمال چاند بی بی کے نام پائے جاتے ہیں لیکن بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو بیٹے قاسم اور شاہ منصور

اور ایک بیٹی آقا بی بی بھی تھی۔

حسین نظام شاہ ثانی کے انتقال کے بعد جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے اسمٰعیل نظام شاہ کو تخت نشین کیا گیا تھا کیونکہ اس کا باپ برہان نظام شاہ ثانی شہنشاہ اکبر کے دربار میں تھا۔ لیکن جب اس کو اطلاع ہوئی کہ اس کا بیٹا تخت نشین ہو گیا ہے تو فوراً احمد نگر آیا اور اپنے بیٹے کو قید کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اسی لئے اسمٰعیل نظام شاہ پر ۶ اور برہان نظام شاہ پر ۷ نشان لگایا گیا کیونکہ بیٹا باپ سے پہلے تخت نشین ہوا تھا۔

احمد کو جو بہادر نظام شاہ کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا تھا شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ احمد نگر کے مشہور مجتہد شاہ طاہر کا بیٹا ہے۔ اسی سبب سے اس کو غاصب لکھا گیا ہے۔ یہ تقریباً چند مہینے رہا۔

احمد نگر کا قلع قمع ہوتے کے تین سال کے بعد ملک عنبر نے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کو قلعہ دولت آباد میں تخت نشین کیا تھا جو اس خاندان کا دسواں بادشاہ ہے احمد نگر ۱۶۰۰ء / ۱۰۰۹ھ میں مسخر ہو گیا اور مرتضیٰ کی تخت نشینی تین سال کے وقفے کے بعد ۱۶۰۳ء / ۱۰۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

---

(۱۵) خاندان عادل شاہی (بیجاپور)

۱۴۹۰ء تا ۱۶۸۶ء

۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ

اس خاندان کا بانی یوسف عادل خاں تھا۔ بعض مورخ اس کو خلیفہ عثمانی سلطان مراد کا بیٹا بتاتے ہیں۔ ان مورخوں کا بیان یہ ہے کہ اس خلیفہ کے دو بیٹے تھے ایک محمد جو اس کا جانشین ہوا دوسرا یہ یوسف تھا جب محمد تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی یوسف کو قتل کرنا چاہا لیکن اس کی ماں نے اس کو خواجہ علاء الدین محمود نامی ایک تاجر کے ہمراہ ساوہ بھیجدیا جو شمالی ایران میں واقع ہے اور وہاں سے یہ بغداد اور قم ہوتا ہوا اسی تاجر کے ساتھ سمندر کے راستے سے بیدر آگیا لیکن یہ روایت اس وجہ سے قرین قیاس نہیں ہے کہ یوسف عادل خاں شیعہ مذہب کا پیرو تھا برخلاف اس کے سلاطین عثمانیہ سنی المذہب تھے۔ رفیع الدین شیرازی[1] کا بیان یہ ہے کہ یہ احمد بیگ حاکم ساوہ کا پوتا ہے جس کو جہاں شاہ نے ساوہ کی حکومت سپرد کی تھی۔ احمد بیگ کے بعد اس کا بیٹا محمود بیگ اس کا جانشین ہوا جو بہت جلد لڑائیوں میں مارا گیا۔ یوسف محمود کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد پریشان ہو کر بغداد چلا گیا اور ۱۴۶۳ء (۸۶۸ھ) میں دکن آگیا یہ روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ روایت خواہ کچھ ہی ہو یہ صحیح ہے کہ یوسف ساوہ کا ترک تھا اور محمد شاہ لشکری یا اس کے بڑے بھائی

---

[1] تذکرۃ الملوک مولفہ رفیع الدین شیرازی۔

نظام شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر آیا تھا اور خواجہ محمود گاواں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بہت تر
کرتا گیا۔ یہ پہلے داروغہ اصطبل ہوا اور ایکصدی منصب سے سرفراز ہوا اور اس کے چند روز
بعد عادل خاں خطاب سے بہرہ اندوز ہوا۔ محمود گاواں نے اس کو اپنا متبنّٰی بیٹا بنایا اور دکھنی فرقہ
کے مقابلے میں اس کو کھڑا کیا تھا[1]۔ ۱۴۷۸ء میں اس کو دولت آباد کا گورنر بنایا گیا اور اس کو مجلس
خطاب دیا گیا اور محمود گاواں نے گلبرگہ اور بیجاپور کی گورنری اپنے ہاتھ میں رکھی تھی جب یوسف عا
نے دولت آباد کی گورنری حاصل کی تو باہر کے لوگ سب اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ۱۴۸۳ء
میں پھر صوبوں کی از سر نو تقسیم ہوئی کیونکہ اس وقت چار صوبوں کے آٹھ صوبے کر دیئے گئے تھے
یوسف تو دولت آباد میں رہا لیکن محمود گاواں بیجاپور اور بلگام کا گورنر ہو گیا۔ جب ۱۴۸۶ء میں
محمود گاواں کا قتل ہو گیا تو یوسف عادل خاں نے سلطنت سے انحراف کیا اور بلانے پر بادشا
کے پاس نہیں آیا۔ دولت آباد کو چھوڑ کر جہاں وہ اب تک گورنر تھا بیجاپور اور بلگام پر قدم جما لیے
اور ۱۴۹۵ء میں خود مختار ہو گیا کیونکہ یہ صوبہ محمود گاواں کی سیادت میں تھا اس کو یوسف بہت پسند
کرتا تھا۔ بیجاپور اس سلطنت کا پائے تخت بنایا گیا جس میں مدافعت کے لئے قلعہ اور شہری
ضرورتیں بہم پہنچائی گئیں سترھویں صدی میں بیجاپور ہندوستان کا بڑا شہر ہو گیا۔ یوسف عادل خان
بیجاپور کے ایک مشہور زمیندار مکند رائے کی بیٹی سے شادی کی تھی جس کا نام بوبوجی خاتون بتایا
جاتا ہے۔ یوسف کی تمام اولاد اسی عورت کے بطن سے ہے۔ اگرچہ یوسف نے شاہ کا لقب اختیا
نہیں کیا تھا لیکن اس کے جانشین اپنے کو عادل شاہ کہنے لگے اور اس طرح یہ خاندان عادل شاہی کہلاتا

---

[1] اس کو یوسف عادل خاں سوائی بھی کہتے ہیں اور اس کی تشریح یہ کیجاتی ہے کہ وہ ساوہ کا رہنے والا تھا۔ لیکن
ساوہ کے رہنے والے کو ساوجی کہتے ہیں نہ کہ سوائی۔ غالباً سوائی بھی اس کا خطاب تھا اور کے راجگان
بھی اسی خطاب سے موسوم کئے جاتے ہیں۔

عادل شاہی خاندان نے جس کے نو بادشاہ گزرے ہیں ۱۶۸۶ء (۱۰۹۷ھ) تک دو سو سال حکومت کی۔ علی عادل شاہ اول کے عہد میں جو اس خاندان کا پانچواں بادشاہ ہے عادل شاہی سلطنت بہت وسیع ہو گئی کیونکہ جنگ تالیکوٹ کے بعد اس کو جنوبی کرناٹک کے بہت سے علاقے مل گئے اور سترھویں صدی میں یہ جنوب میں دریائے کاویری کے نیچے اور مشرق میں ساحل کارومنڈل تک پہنچ گئی اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں جو علی اول کا جانشین تھا اس سلطنت نے خوب ترقی کی۔ جب تک نظام شاہی سلطنت قائم رہی اس کو مغلوں کا ڈر نہیں تھا لیکن جب ۱۶۳۳ء (۱۰۴۳ھ) میں نظام شاہی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا تو عادل شاہی سلطنت پر بھی آنچ آ گئی کیونکہ اب یہ تنہا مغل حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی چنانچہ ۱۶۳۶ء (۱۰۴۶ھ) میں جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے بیٹے محمد عادل شاہ کا عہد حکومت تھا اس سلطنت نے مجبوراً مغل شہنشاہیت کی حکمبرداری تسلیم کر لی اور ایک ماتحت ریاست ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ مرہٹوں کے حملوں کی وجہ سے بھی اس کو بہت نقصان پہنچا ۱۶۸۶ء (۱۰۹۷ھ) میں شہنشاہ اورنگ زیب نے ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا اور اس کے آخری تاجدار سکندر عادل شاہ کو گرفتار کر لیا۔ غالباً اس سلطنت کے خاتمے کا یہ مقصد تھا کہ یہ مرہٹوں کو مدد دیتی تھی اور شہنشاہ مرہٹوں کے استیصال کے لیے دکن آئے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب اس کو ۱۶۵۶ء (۱۰۶۷ھ) میں ہی ختم کر دینا چاہتے تھے حالانکہ اس زمانے میں مرہٹوں کا کوئی سوال نہیں تھا۔

---

(۱) یوسف عادل شاہ
۱۴۹۰ء تا ۱۵۱۰ء
۸۹۵ھ تا ۹۱۶ھ

(۲) اسمٰعیل عادل شاہ
۱۵۱۰ء تا ۱۵۳۴ء
۹۱۶ھ تا ۹۴۱ھ

مریم سلطان
زوجہ
برہان نظام شاہ اول
والی احمد نگر

خدیجہ سلطان
زوجہ
علاء الدین عماد شاہ
والی برار

بی بی ستی
زوجہ
احمد شاہ ثانی بہمنی

(۳) ملو عادل شاہ
۱۵۳۴ء
۹۴۱ھ
(صرف چند ماہ کے بعد تخت سے اتار دیا گیا)

ابراہیم عادل شاہ اول
۱۵۳۴ء تا ۱۵۵۸ء
۹۴۱ھ تا ۹۶۵ھ

عبداللہ

علی

اسمٰعیل

(۵) علی عادل شاہ اول
۱۵۵۸ء تا ۱۵۸۰ء
۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ

طہماسپ

(۶) ابراہیم عادل شاہ ثانی
۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۷ء
۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ

احمد

تانی بی بی
زوجہ
علی برید
والی بیدر

ہدیہ سلطان
زوجہ
مرتضیٰ نظام شاہ اول
والی احمد نگر

درویش

سلیمان

(۷) محمد عادل شاہ
۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۷ء
۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ

سلطان بیگم
زوجہ
شاہزادہ دانیال بن اکبر

فاطمہ سلطان
زوجہ
شاہ حبیب اللہ حسینی

(۸) علی عادل شاہ دوم
۱۶۵۷ء تا ۱۶۷۲ء
۱۰۶۸ھ تا ۱۰۸۳ھ

بادشاہ بی بی
زوجہ
شاہزادہ اعظم بن اورنگ زیب

(۹) سکندر عادل شاہ
۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۶ء
۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۷ھ

(۱۶) خاندان بریدشاہی (بیدر)

۱۴۸۷ تا ۱۶۱۹ء

۸۹۴ھ تا ۱۰۲۸ھ

اس خاندان کا بانی قاسم برید ہے جو ذات کا ترک تھا بعض لوگ اس کو گرجی کہتے ہیں۔ غالباً یوسف عادل خاں کی طرح یہ بھی محمد شاہ لشکری کے عہد میں بحیثیت غلام کے بیدر آیا تھا اور اپنی قابلیت سے بہت جلد ترقی کر گیا۔ اور جب خواجہ محمود گاواں کی وجہ سے بیدر میں فرقہ داری کشمکش شروع ہوگئی تو یہ نئے مذہب والا ہونے کی وجہ سے محمود گاواں کے فرقہ میں شریک نہیں ہوا بلکہ ملک حسن بحری کے ساتھ رہا چنانچہ محمود گاواں کے قتل کے بعد جب ملک حسن ملک نائب ہوگیا تو اس کو ترقی کے موقع مل گئے۔ عہدوں کی تقسیم میں اس کو کوتوال شہر کی خدمت دی گئی اور بریدالممالک خطاب ملا۔ ملک حسن کے قتل کے بعد ۱۴۹۰ء / ۸۹۵ھ میں یہ خود ملک نائب ہوگیا۔ کیونکہ دکھنی فریق کا ساتھ دینے کی وجہ سے اہل بیدر اس کو اپنا ہمدرد اور ترک دشمن سمجھتے تھے لیکن اس اقتدار سے فائدہ اٹھا کر اس نے آہستہ آہستہ محمود شاہ بہمنی کو بے دست و پا کر دیا اور بہمنی سلطنت کا مالک بن بیٹھا اگرچہ ایک مرتبہ ۱۴۸۹ء / ۸۹۴ھ میں دلاور خاں حبشی نے محمود شاہ کی تائید میں قاسم برید کو سخت شکست دی اور اس کو بیدر سے باہر نکال دیا تھا لیکن چند روز کے بعد وہ پھر واپس آیا اور بادشاہ کو پہلے سے زیادہ مجبور کر دیا۔ چنانچہ اسی تاریخ سے قاسم برید کی خودمختاری شروع کی جاتی ہے۔

۱۵۰۴ء / ۹۱۰ھ میں قاسم برید کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا امیر علی برید اس کا جانشین ہوا۔ اس نے اپنے باپ سے زیادہ خودمختاری حاصل کر لی چنانچہ بہمنی بادشاہ اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی

ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی بحالی و برطرفی اس کے ہاتھ میں تھی۔ جب ۹۲۴ھ ۱۵۱۸ء میں محمود شاہ کا انتقال ہو گیا تو امیر برید نے اس کے بیٹے احمد شاہ ثانی کو تخت نشین کیا۔ احمد شاہ ۹۲۷ھ ۱۵۲۱ء میں فوت ہوا تو اس کے بھائی علاء الدین سوم کو تخت نشینی کی اجازت دی گئی۔ جب علاء الدین نے ۹۲۸ھ ۱۵۲۲ء میں امیر برید کو مارنے کی سازش کی اور یہ راز فاش ہو گیا تو اس نے علاء الدین کو تخت سے اتار کر اس کو قتل کر دیا اور اس کے بھائی ولی اللہ کو تخت نشین کیا۔ ولی اللہ نے بھی ۹۳۱ھ ۱۵۲۵ء میں امیر برید کے پنجے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا اور اس کے دوسرے بھائی کلیم اللہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اگرچہ اس نے امیر برید کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کی البتہ اس نے بابر بادشاہ سے جو اسی زمانے میں ہندوستان میں اپنے قدم جما رہا تھا خفیہ طور پر ایک سفیر بھیج کر مدد کی درخواست کی اور اس کے بدلے بابر کو دولت آباد اور برار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بابر کی طرف سے کوئی جواب تو نہیں آیا لیکن جب یہاں یہ سازش امیر برید کو معلوم ہو گئی تو بیچارہ کلیم اللہ موت کے ڈر سے ۹۳۴ھ ۱۵۲۷ء میں بیجاپور بھاگ گیا۔ یہاں اس کی آؤ بھگت نہیں ہوئی تو احمد نگر چلا گیا اور چند روز کے بعد مر گیا۔ کلیم اللہ کے بھاگنے کے بعد امیر برید نے علانیہ اعلان خود مختاری کیا اور چونکہ دکن کے دوسرے سلاطین اس کے مخالف تھے اس لیے امیر برید نے اپنے بچاؤ کے لئے بین ملکتی سازشیں کر کے دکھنی سلاطین کو آپس میں لڑاتا تھا اسی وجہ سے اس کو دکن کی لومڑی کہتے تھے۔ بیجاپور نے اس کو کئی شکستیں دیں اور بالآخر اس کو بیجاپور کی سیادت تسلیم کرنی پڑی۔

۹۴۹ھ ۱۵۴۲ء میں ایک طویل حکومت کے بعد امیر برید کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا علی برید تخت نشین ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے شاہ کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کے بعد فرشتہ کی روایت کے مطابق اس کے دو بیٹے ابراہیم برید اور قاسم برید ثانی یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے اور قاسم برید ثانی کے بعد اس کا بیٹا علی برید ثانی اس کا جانشین ہوا اور اس کے بعد اس کا

بیٹا امیر برید ثانی تخت پر بیٹھا لیکن اس کے عہد میں سلطنت بہت کمزور ہو گئی اس کی
ہمسایہ سلطنت بیجاپور نے اس کے بہت سے علاقے چھین لیے اور امیر برید کے ایک امیر نے
امیر برید ثانی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور ۱۶۰۹ء/۱۰۱۸ھ میں حکومت پر خود قابض ہو گیا اور مرزا علی برید
کہلاتا ہے لیکن ابراہیم عادل شاہ ثانی والی بیجاپور نے ۱۶۱۹ء/۱۰۲۹ھ میں اس خاندان کا خاتمہ کر کے
بیدر کو بیجاپور میں ضم کر لیا۔ غاصب سلطنت مرزا علی برید کو شامل کر کے بریدی خاندان کے
آٹھ بادشاہ ہوتے ہیں اس خاندان کو وہ عزت حاصل نہیں تھی جو دکن کے دوسرے خاندانوں کو تھی
ان کی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بچاؤ کے لیے کبھی سلاطین دکن کو
آپس میں لڑا کر خود تماشا دیکھا اور بہمنیوں کے تمدن کو بھی بہت نقصان پہنچایا۔

سلاطین برید کے سلسلہ نسب میں یہاں صرف مورخ فرشتہ کی تقلید کی گئی ہے اور
یہ بہت کچھ تحقیق طلب ہے اور مرآۃ الصفا اور دوسری تاریخیں اس سے اختلاف کرتی ہیں۔
سر وولزلی ہیگ نے ایک دوسرا شجرہ پیش کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا کیا ماخذ ہے مشکل
یہ ہے کہ سلاطین برید کی کوئی معاصر تاریخ ہے نہ ان کے دور کے تمام سکے دستیاب ہوتے ہیں
اگرچہ غلام صمدانی خاں گوہر نے ایک تاریخ برید کا حوالہ دیا ہے لیکن وہ ناپید ہے۔ اسی وجہ سے
اس سلسلہ نسب کی تحقیق بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

---

(۱) قاسم برید

۱۴۸۷ء تا ۱۵۰۴ء

۸۹۴ھ تا ۹۱۰ھ

(۲) امیر برید اول — خانجہاں

۱۵۰۴ء تا ۱۵۴۲ء

۹۱۰ھ تا ۹۴۹ھ

(۳) علی برید شاہ اول

۱۵۴۲ء تا ۱۵۷۹ء

۹۴۹ھ تا ۹۸۷ھ

(۴) ابراہیم برید شاہ

۱۵۷۹ء تا ۱۵۸۶ء

۹۸۷ھ تا ۹۹۴ھ

(۵) قاسم برید شاہ اول

۱۵۸۶ء تا ۱۵۸۹ء

۹۹۴ھ تا ۹۹۸ھ

(۶) علی برید شاہ دوم

۱۵۸۹ء تا ۱۶۱۰ء

۹۹۸ھ تا ۱۰۱۰ھ

(۷) امیر برید شاہ دوم

۱۶۰۱ء تا ۱۶۰۹ء

۱۰۱۰ھ تا ۱۰۱۸ھ

(۸) مرزا علی برید (غاصب)

۱۶۰۹ء تا ۱۶۲۰ء

۱۰۱۸ھ تا ۱۰۲۹ھ

یہ شجرہ مورخ فرشتہ کی روایت کے مطابق بنایا گیا ہے۔ گلشن ابراہیمی کی روایت کے مطابق مرزا علی برید غاصب نے علی برید شاہ دوم کے عہد میں ہی بغاوت کی اور حکومت پر قبضہ کرلیا تھا۔ امیر برید شاہ دوم کے نام سے کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ سرو ولزی ہیگ نے قاسم برید دوم کو ابراہیم برید کا بیٹا بتایا ہے۔ علی برید شاہ ثانی اور امیر برید شاہ ثانی کو ابراہیم برید کے بھائی خانجہاں کے بیٹے لکھا ہے اور علی برید شاہ دوم کو مرزا علی برید ظاہر کیا ہے اور معلوم نہیں کہ ان کے ماخذ کیا ہیں اور اسکی صحت کی کیا دلیل ہے۔ ان کا شجرہ بھی ذیل میں دیا جاتا ہے۔

شجرۂ بریدشاہی

مرتبہ سر وولزلی ہیگ

(۱) امیر قاسم برید
۱۴۸۰ء
۸۹۲ھ

(۲) امیر برید
۱۵۰۴ء
۹۱۰ھ

خانجہاں

(۳) علی برید شاہ
۱۵۴۲ء
۹۴۹ھ

(۴) ابراہیم برید شاہ
۱۵[illegible]۹ء
۹[illegible]

خانجہاں

(۵) قاسم برید شاہ دوم
۱۵۸۶ء
۹۹۴ھ

(۶) امیر برید شاہ
۱۵۸۹ء
۹۹۰ھ

(۷) مرزا علی برید شاہ سوم
۱۶۰۱ء
۱۰۱۰ھ

(۸) علی برید شاہ دوم
۱۶۰۹ء تا ۱۶۱۹ء
۱۰۱۸ھ تا ۱۰۲۸ھ

(۱۷) خاندان قطب شاہی (گولکنڈہ)

۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء

۹۲۴ھ تا ۱۰۹۸ھ

اس خاندان کا بانی سلطان قلی قطب شاہ ہے جو ترکستان کے ایک بڑے قبیلے قراقونیلو کا رکن تھا یہ وہ قبیلہ ہے جس میں قرا یوسف سکندر شانی اور جہاں شاہ جیسی زبردست شخصیتیں پیدا ہوئیں اور جس نے ترکستان کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی تھی سلطان قلی کے باپ اور دادا پر قلی اور اویس قلی ہمدان کے رئیس تھے لیکن پندرھویں صدی میں ان لوگوں کو ایک دوسرے قبیلے سے جس کا نام آق قونیلو تھا ایسا نقصان پہنچا کہ ان کو ہمدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ چنانچہ سلطان قلی اور اس کا چچا اللہ قلی دونوں ۱۴۸۶ء (۸۹۲ھ) میں بیدر آ گئے اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے دربار میں باریاب ہوئے۔ اللہ قلی تو ہمدان واپس ہو گیا لیکن سلطان قلی نے سلطنت بہمنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ اس وقت بیدر میں طبقہ داری کشمکش جاری تھی جس کی وجہ سے سلطان قلی کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تاہم اس نے کسی فرقہ وارانہ رقابت میں حصہ نہیں لیا بلکہ اہل ملک اور شاہی خاندان کے ساتھ پوری وفاداری کی اور محض اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کی۔ ۱۴۹۳ء (۸۹۹ھ) میں اس کو قطب الملک کا خطاب ملا اور ۱۴۹۶ء (۹۰۱ھ) میں تلنگانے کا صوبہ دار بنایا گیا۔ محمود شاہ بہمنی کے انتقال کے بعد جو ۱۵۱۸ء (۹۲۴ھ) میں ہوا تھا اس نے خود مختاری کا اعلان نہیں کیا حالانکہ شمال کے صوبہ دار ملک احمد یوسف عادل خاں فتح اللہ ۱۴۹۰ء (۸۹۵ھ) میں خود مختار ہو چکے تھے

چونکہ اس کا خطاب قطب الملک تھا اس لئے جب یہ ۱۵۱۸ء ۹۲۴ھ میں محمود شاہ کی وفات کے بعد خود مختار
ہوا تو اسے قطب شاہ کہنے لگے گولکنڈہ اس خاندان کا پایہ تخت تھا۔

سلطان قلی قطب شاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں اس سلطنت کی بنیاد رکھی اس کے
جانشین جمشید قطب شاہ کے عہد میں جو اپنے باپ اور بھائیوں کو قتل کر کے تخت نشین ہوا تھا
کوئی اضافہ نہیں ہوا اس کا چھوٹا بھائی ابراہیم قطب شاہ اپنے بھائی سے ڈر کر بیجانگر میں جلاوطن
ہو گیا تھا۔ یہ جمشید کے انتقال کے بعد ۱۵۵۰ء ۹۵۷ھ میں واپس آیا اور تخت پر قابض ہوا۔ اس عہد میں
یہ سلطنت بہت مستحکم ہو گئی۔ اور جب ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہو گیا تو قطب شاہی
سلطنت کو جنوب میں پھیلنے کا اچھا موقع ملا ابراہیم قطب شاہ کے جانشین محمد قلی قطب شاہ کے
عہد میں جو ۱۵۸۰ء ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا اس سلطنت میں غیر معمولی تمدنی ترقیاں ہوئیں جو سلطان
محمد قطب شاہ کے عہد میں جو محمد قلی کا بھتیجا اور داماد تھا پایہ تکمیل کو پہنچیں اس طرح یہ سلطنت
بہت اقبالمند ہو گئی لیکن نظام شاہی سلطنت کے جانے سے اس کو بہت نقصان پہنچا کیونکہ
قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کی بقا نظام شاہی سلطنت کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لئے
جب ۱۶۳۳ء ۱۰۴۳ھ میں آخر الذکر کا خاتمہ ہو گیا تو عادل شاہوں کے ساتھ قطب شاہوں پر آنچ آ گئی
چنانچہ ۱۶۳۶ء ۱۰۴۶ھ میں جبکہ سلطان محمد قطب شاہ کا کمسن بیٹا عبداللہ قطب شاہ تخت نشین تھا اس سلطنت
کو مجبوراً مغلوں کا باجگذار بننا پڑا عبداللہ قطب شاہ کے انتقال کے بعد ۱۶۷۲ء ۱۰۸۳ھ میں اس کا چھوٹا
داماد ابوالحسن قطب شاہ تخت نشین ہوا کیونکہ مرحوم کا کوئی بیٹا زندہ نہیں تھا۔ اگرچہ اس کا بڑا داماد
سید احمد تخت کا دعویدار تھا لیکن ملک نے ابوالحسن کی تائید کی جو حکومت کا بہت اہل تھا۔ اس
نے مغلوں کے سیلاب کے مقابلے میں جو شہنشاہ اورنگ زیب کے ساتھ آیا تھا اپنی سلطنت کو
بچانے کی پوری کوشش کی لیکن یہ بارآور نہیں ہوئی بالآخر ۱۶۸۷ء ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب کے

ہاتھوں سے اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔ ابوالحسن کو قلعہ دولت آباد میں قید کر دیا گیا اس خاندان کے آٹھ بادشاہ گزرے ہیں۔

(۱) سلطان قلی قطب الملک (قطب شاہ)

۱۵۱۸ء تا ۱۵۴۳ء
۹۲۴ھ تا ۹۵۰ھ

حیدر قلی — قطب الدین — (۲) جمشید قطب شاہ ۱۵۴۳ء تا ۱۵۵۰ء، ۹۵۰ھ تا ۹۵۷ھ — عبدالکریم — دولت قلی — (۴) ابراہیم قطب شاہ ۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۰ء، ۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ

(۳) سبحان قلی ۱۵۵۰ء ۹۵۷ھ

عبدالقادر معروف بہ شاہ صاحب — حسین قلی — (۵) محمد قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۲ء، ۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ، حیات بخشی بیگم زوجہ سلطان محمد قطب شاہ — مرزا عبدالفتاح — مرزا خدابندہ — مرزا محمد امین — چاند سلطانہ زوجہ ابراہیم عادل شاہ ثانی والی (بیجاپور)

(۶) سلطان محمد قطب شاہ ۱۶۱۲ء تا ۱۶۲۶ء، ۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ — دختر زوجہ شاہ محمد عرب شاہ، شاہ خواند کار

(۷) عبداللہ قطب شاہ ۱۶۲۶ء تا ۱۶۷۲ء، ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ — ابراہیم مرزا — علی مرزا — کمال مرزا — خدیجہ سلطانہ (حاجی بڑے صاحب) زوجہ محمد عادل شاہ (بیجاپور)

(بقیہ شجرہ بر صفحہ آئندہ)

قراخان
اعزخاں
توروبیک
قراتورلیش
قرابیرام
قرامنصور
قراتورالحسن
قرامحمد
قرایوسف
امیرزادہ سک
امیرزادہ الو
پیرعلی
اویس قلی
سلطان قلی
زقطب
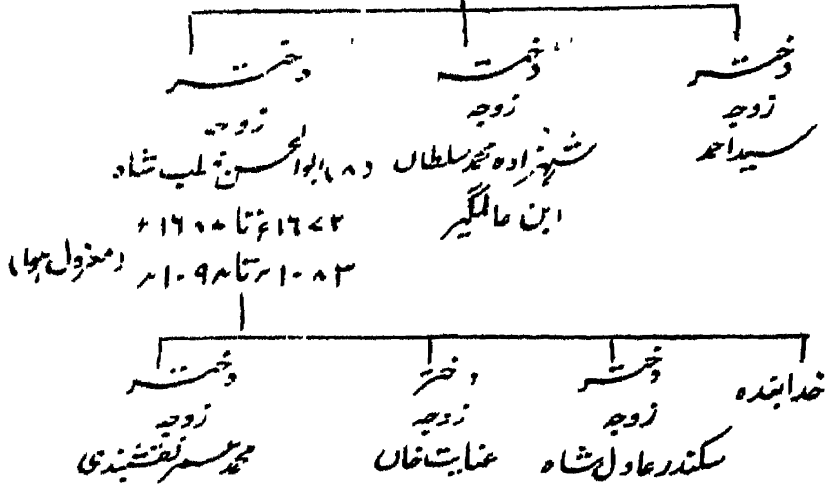
سبحان قلی جو بہت کمسن تھا چند مہینوں کے بعد تخت سے اتار دیا گیا کیونکہ ابراہیم قطب شاہ بیجانگر کی جلاوطنی سے واپس آ کر تخت پر قابض ہو گیا۔

خاندان بھونسلہ

۱۶۷۴ء تا ۱۷۱۴ء

۱۰۸۵ھ تا ۱۱۲۷ھ

اس خاندان کا بانی سیواجی بھونسلہ ہے جس نے بہ حیثیت حکمران کے مہاراشٹر کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی اور مرہٹوں کی ایک بڑی طاقت پیدا کر دی۔ اس کے باپ دادا نظام شاہی سلطنت کے زمیندار تھے۔ اس کا پردادا باباجی تھا جو موجودہ ایلورا کے قریب بعض مواضع کا پٹیل تھا۔ باباجی کے بیٹے مالوجی نے نظام شاہی سلطنت میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا یہاں تک کہ اسکو نظام شاہی حکومت کی جانب سے پونا اور سوپہ کی دو جاگریں دی گئی تھیں لیکن ایک سازش کی بنا پر مرتضیٰ نظام شاہ ثانی نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا شاہ جی ہے جس نے اپنے باپ کے قتل کے بعد شاہجہاں کی سرپرستی اختیار کر لی جو اس زمانے میں برہانپور میں تھے لیکن چند روز کے بعد جب شاہجہاں نے نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور جو جاگیریں شاہجہاں نے اس کو دی تھیں واپس لے لیں تو ۱۶۳۳ء/۱۰۴۳ھ میں یہ ناراض ہو کر دکن واپس آگیا اور مغلوں کے خلاف نظام شاہی خاندان کی حمایت شروع کر دی اور پرینڈہ کو اپنا مستقر بنا لیا لیکن بالآخر ۱۶۳۵ء/۱۰۴۵ھ میں ہتیار ڈال دئے اور بیجاپور میں ملازم ہو گیا۔ اس کے کئی بیٹے تھے سیواجی اس کا دوسرا بیٹا ہے جو ۱۶۲۷ء/۱۰۳۷ھ میں جنیر میں پیدا ہوا اور وہیں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد اس نے اپنے اردگرد نظام شاہی سلطنت کے بے روزگار سپاہیوں کو جمع کر کے چپکے چپکے ایک طاقت پیدا کر لی اور عادل شاہی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر

سنہ ۱۶۴۶ء (۱۰۵۶ھ) سے عادل شاہی علاقوں پر حملے شروع کر دئے اور باوجود مزاحمت کے اکثر فتح کر لیے حالانکہ اس کا باپ شاہ جی بیجاپور کا ملازم تھا۔ جب بیجاپور کی کمزوری سے اس کے حوصلے بڑھ گئے تو اس نے مغل علاقوں پر بھی یورشیں شروع کر دیں اگرچہ سنہ ۱۶۶۵ء (۱۰۷۶ھ) میں جے سنگھ کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دیئے اور مغلوں کی اطاعت اختیار کر لی لیکن سنہ ۱۶۶۶ء (۱۰۷۷ھ) میں دہلی سے بھاگ آیا جہاں وہ شہنشاہ کے دربار میں سلام کے لیے گیا تھا اور پھر مغل علاقوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی سنہ ۱۶۷۴ء (۱۰۸۵ھ) میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس نے راجہ کا لقب اختیار کر لیا اور اپنی ایک باضابطہ حکومت ترتیب دی رائے گڑھ اس کا پایۂ تخت تھا۔

سنہ ۱۶۸۰ء (۱۰۹۱ھ) میں سیواجی کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سنبھاجی اس کا جانشین ہوا۔ لیکن اس نے دکن میں اس قدر تاخت و تاراج شروع کر دی تھی کہ اہل دکن تنگ پریشان ہو گئے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے سنہ ۱۶۸۹ء (۱۱۰۰ھ) میں اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیا اس کے بعد مرہٹوں نے اس کے بھائی رام راج کو اس کا جانشین بنایا تھا لیکن مغل فوجوں نے اس کو بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا آخر یہ بھی سنہ ۱۷۰۰ء (۱۱۱۲ھ) میں مر گیا۔ اس کا بڑا بیٹا سیواجی ثانی اپنے باپ کا جانشین بنایا گیا تھا اور یہ اورنگ زیب کے انتقال تک برائے نام مرہٹوں کا راجہ رہا۔ اور سنبھاجی کا بیٹا ساہوجی جو اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد اورنگ زیب کے کیمپ میں گرفتار تھا لیکن جب سنہ ۱۷۰۷ء (۱۱۱۸ھ) میں شہنشاہ کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ اعظم نے ساہوجی کو قید سے رہا کر دیا جس کو مرہٹوں نے اپنا راجہ تسلیم کر لیا اس نے سیواجی ثانی کو گدی سے علیحدہ کر کے خود سلطنت پر قبضہ کر لیا اگرچہ یہ سنہ ۱۷۴۹ء (۱۱۵۹ھ) تک راجہ تھا لیکن اختیارات سلطنت اس کے برہمن وزیروں کے ہاتھ میں آ گئے جو پیشوا کہلاتے ہیں۔ ان پیشواؤں نے بالآخر اس خاندان بھونسلہ کو ختم کر کے اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ البتہ رام راج کے دوسرے بیٹے سیواجی ثانی نے سنہ ۱۷۱۰ء (۱۱۲۲ھ) میں کولہاپور میں اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی جو اب تک موجود ہے اور راجگان کولہاپور کہلاتے ہیں۔

(۱) باباجی بھونسلہ
ویناجی
(۲) مالوجی بھونسلہ
(۳) شاہ جی بھونسلہ
ولادت ۱۵۹۴ء
وفات ۱۶۶۴ء
سنبھاجی
(لڑائی میں مارا گیا)
(۴) سیواجی اول
۱۶۷۴ء میں مہاراجہ بنا۔ ۱۶۸۰ء میں فوت ہوا
ونکاجی یا ایکوجی
۱۶۷۴ء میں تنجور پر قبضہ کرلیا
سنتاجی
(۵) سنبھاجی اول
۱۶۸۰ء تا ۱۶۸۹ء
(۶) رام راج یا راجہ رام
۱۶۸۹ء تا ۱۷۰۰ء
(۸) ساہوجی یا ساہو اول
۱۷۰۷ء تا ۱۷۴۹ء
(۷) سیواجی دوم
۱۷۰۰ء تا ۱۷۰۷ء
ساہوجی نے اس کو گدی سے علحدہ کردیا
یہ ۱۷۱۲ء میں فوت ہوا۔
سنبھاجی دوم
اس نے کولھاپور پر حملہ کر کے
ایک علحدہ راجدھانی بنائی۔
۱۷۱۲ء
راجگان کولھاپور

حصۂ سوم

دورِ حالیہ

(۱۹) خاندان پیشوا

۱۷۱۴ء تا ۱۸۱۸ء

۱۱۲۶ھ تا ۱۲۳۶ھ
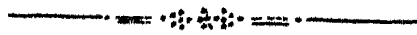
یہ مرہٹوں کا خاندان ہے جس کے اراکین نے اٹھارہویں صدی میں وزارت سے بادشاہی حاصل کی۔ اس خاندان کا بانی بالاجی وشوناتھ ہے جو ۱۷۱۴ء (۱۱۲۶ھ) میں ساہوجی کا پیشوا یا وزیر ہوا تھا۔ یہ اور اس کا بیٹا باجی راؤ ایسے مقتدر ہوئے کہ ساہوجی بے دست و پا ہوگیا۔ اور مہاراشٹر کی حکومت جو نسل خاندان سے چھن کر پیشواؤں کے ہاتھ میں آگئی باجی راؤ کے عہد میں جو دوسرا پیشوا تھا مرہٹہ سلطنت بہت طاقتور اور منظم ہوگئی۔ اور تیسرے پیشوا بالاجی راؤ کے عہد میں شمال تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ۱۷۶۰ء (۱۱۷۴ھ) میں مرہٹے دہلی پر بھی قابض ہوگئے اگرچہ ۱۷۶۱ء (۱۱۷۵ھ) والی جنگ پانی پت نہ ہوتی جس میں احمد شاہ درانی نے مرہٹوں کو شکست فاش دی تھی تو مرہٹے مقتدر رہتے۔ بالاجی راؤ کا بیٹا وشواس راؤ اسی جنگ میں مارا گیا بالاجی راؤ بھی اسی جنگ کے صدمے سے مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بیٹے مادھوراؤ کو پیشوا بنایا گیا۔ مادھوراؤ نے پرانی طاقت باقی رکھی۔ لیکن جب ۱۷۷۲ء (۱۱۸۶ھ) میں اس کا بھی انتقال ہوگیا تو مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ مادھوراؤ کا بھائی نارائن راؤ بہت جلد مر گیا اور اس کی جگہ رگھناتھ راؤ یا رگھوبا جو تیسرے پیشوا کا بھائی تھا انگریز کمپنی کی تائید سے پیشوا ہوگیا۔ لیکن یہ بھی بہت جلد مر گیا۔ اس کے بعد نارائن راؤ کے بیٹے مادھوراؤ ثانی کو پیشوا بنایا گیا۔ لیکن اس کے وزیر نانا فرنویس کے مقابلے میں اس کی ایک نہیں چلتی تھی چنانچہ نانا فرنویس کے دست برد سے تنگ آکر مادھوراؤ نے

۱۷۹۵ء (۱۲۱۰ھ) میں خودکشی کرلی۔ نانا فرنویس نے رگھوبا کے بیٹے باجی راؤ ثانی کو اس شرط پر پیشوا بنایا کہ وہ اس کے دست نگر رہے۔ لیکن دولت راؤ سندھیا اور دوسرے مرہٹہ رئیسوں نے سخت مخالفت کی جس سے مرہٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی ۱۸۰۰ء (۱۲۱۵ھ) میں نانا فرنویس کا انتقال ہوگیا اور ۱۸۰۱ء (۱۲۱۶ھ) میں جسونت راؤ ہولکر نے اپنے بھائی کے انتقام میں پیشوا کو سخت شکست دی اور اس کو پونا سے بھاگنا پڑا اور اپنی پیشوائی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے مدد مانگی۔ اس زمانے میں لارڈ ولزلی ہندوستان میں گورنر جنرل تھے اور ہندوستانی رئیسوں کو عہد معاونت میں لینا چاہتے تھے چنانچہ معاہدہ بسین کے ذریعے باجی راؤ ثانی انگریزوں کی حمایت میں آگیا اس طرح ۱۸۰۲ء (۱۲۱۷ھ) میں پیشوا کی خودمختاری ختم ہوگئی۔

لیکن یہ معاہدہ پائیدار ثابت نہیں ہوا بلکہ ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) میں پیشوا نے یہ معاہدہ توڑ دیا اس کے ساتھ دوسرے مرہٹہ رئیس بھی شامل ہوگئے۔ چنانچہ ولزلی نے فوج کشی کرکے پیشوا کو سخت شکستیں دیں اور ایک نیا معاہدہ ہوا جس کی رو سے پیشوا کو پھر انگریز کمپنی کی سیادت تسلیم کرنی پڑی ۱۸۱۷ء (۱۲۳۲ھ) میں پھر پیشوا نے انگریز کمپنی کی مخالفت کی تو لارڈ ہیسٹنگز کے عہد میں اس کو سخت شکستیں ہوئیں اور پونا سے بھاگنا پڑا چنانچہ ۱۸۱۹ء (۱۲۳۴ھ) میں پیشوائی کا خاتمہ کردیا گیا۔ باجی راؤ کو کانپور میں نظربند کرکے اس کا وظیفہ مقرر کردیا گیا۔ اس کا بیٹا دھونڈو پنت نامی تھا جس نے ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کے غدر میں حصہ لیا تھا۔

(۱) بالاجی وشوناتھ
۱۷۱۴ء تا ۱۷۲۰ء
۱۱۲۰ھ تا ۱۱۳۳ھ

(۲) باجی راؤ اول
۱۷۲۰ء تا ۱۷۴۰ء
۱۱۳۳ھ تا ۱۱۵۳ھ

(۷) رگھوناتھ راؤ یا رگھوبا
۱۷۸۳ء
۱۱۹۸ھ

(۳) بالاجی باجی راؤ
۱۷۴۰ء تا ۱۷۶۱ء
۱۱۵۳ھ تا ۱۱۷۵ھ

(۹) باجی راؤ دوم
۱۷۹۵ء تا ۱۸۱۸ء
۱۲۱۰ھ تا ۱۲۳۴ھ

امرت راؤ

چمناجی

(۶) نراین راؤ
۱۷۷۳ء میں مارا گیا
۱۱۸۷ھ

(۵) مادھو راؤ اول
۱۷۶۱ء تا ۱۷۷۲ء
۱۱۷۵ھ تا ۱۱۸۶ھ

(۴) وشواس راؤ بھاؤ
یا سداسیو بھاؤ
([illegible] کی لڑائی میں مارا گیا)

(۱۰) دھوندو پنت یا نانا صاحب
۱۸۵۷ء
۱۲۷۴ھ میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔

(۸) مادھو راؤ دوم
۱۷۷۴ء تا ۱۷۹۵ء
۱۱۸۸ھ تا ۱۲۱۰ھ
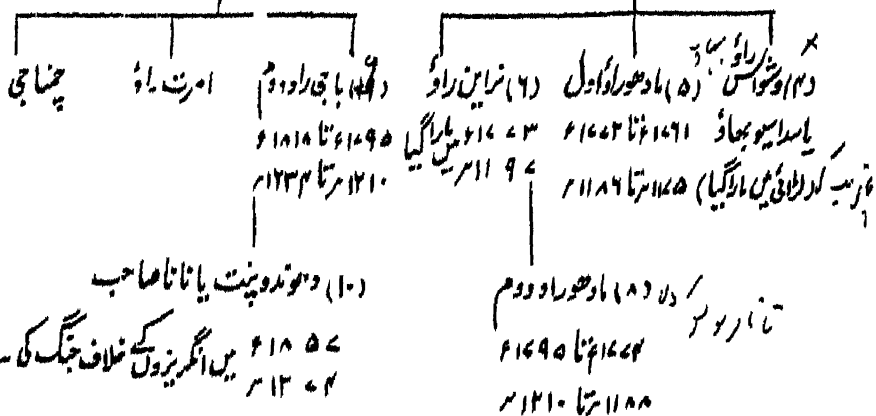
(۲۱) خاندان میسور

آغاز ۱۳۹۹ء
۸۰۲ھ

سطح مرتفع میسور کی بہت قدیم تاریخ ہے۔ اس کا شمال مشرقی حصہ تیسری صدی ق م
میں راجہ اشوک کی عملداری میں تھا اس کے بعد آندھرا راجگان اس پر قابض ہوئے۔ ان کے
زوال کے بعد اس علاقے پر چولا۔ گنگا اور پلاوا راجگان نے حکومت کی اور چالوکیہ اور راشترا کا
راجگان کا یہاں راج رہا لیکن جب بارھویں صدی عیسوی میں چالوکیہ خاندان کا زوال ہوا تو
ہوئے سل خاندان نے یہاں اپنا راج قایم کیا۔ ان کا پایۂ تخت ہیلے بید تھا جو شمال میسور
میں واقع ہے۔ جب چودھویں عیسوی میں شمال کے مسلمان حملہ آوروں نے ہوئے سل خاندان
خاتمہ کر دیا تو اس کے بعد جنوب کی بڑی سلطنت بیجانگر قائم ہو گئی جو سطح مرتفع میسور
پھیل گئی۔ اس کے صوبہ دار سرنگا پٹم اور تنجور میں مامور تھے۔ لیکن ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں اس کا بھی خا
ہو گیا تو میسور کے قدیم راجگان جو بیجانگر کے باج گزار تھے خود مختار ہو گئے زمانۂ حال تک
میسور میں چار خاندانوں نے حکومت کی سب سے پہلا خاندان جو ودیار[1] کہلاتا ہے ایک مشہو
راجہ وجے کی اولاد میں سے ہے۔ روایت یہ ہے کہ وجے اور اس کا بھائی کرشنا گجرا
اپنی قسمت آزمائی کے لیے میسور آئے اور اس کے بعض علاقوں پر قابض ہو گئے۔ لیکن

---

[1] یہ راجگان اپنے کو یادو ہی کہتے ہیں۔

سلطنت بیجانگر کے ماتحت تھے۔ وجے کا عہد حکومت ۸۰۲ھ ۱۳۹۹ء سے ۸۲۶ھ ۱۴۲۳ء تک پایا جاتا ہے اس کی راست اولاد میں سولہ راجہ گزرے ہیں اس کے چھٹے راجہ نمّاراج کے عہد میں جس نے ۱۵۴۱ء تا ۱۵۵۲ء حکومت کی تھی سلطنت بیجانگر کا خاتمہ ہوگیا تو یہ خود مختار ہوگئے چنانچہ نویں راجہ مہاتپی یا راج ادہی راج نے سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے موجودہ سلطنت میسور کی بنیاد ڈالی لیکن بارھویں راجہ نرساراج کے عہد میں ۱۰۴۸ھ ۱۶۳۸ء میں بیجاپور کے مشہور جنرل اندولہ خاندان نے میسور پر حملہ کر دیا اور سیرا کو صدر مقام بنا کر سرنگاپٹم کو بیجاپور کا باجگزار بنا دیا بیجاپور کے دوسرے جنرل شاہ جی نے جو ان حملوں میں شریک تھا بنگلور کو بطور جاگیر حاصل کر لیا چودھویں راجہ چک دیوراج کے عہد میں جب کہ مغل سلطنت بیجاپور اور گولکنڈہ کو ختم کر کے جنوب میں پھیل گئی تو اورنگ زیب کے جنرل قاسم خاں نے میسور پر حملہ کر دیا۔ چک دیوراج نے شہنشاہ کی اطاعت اختیار کر لی اور شہنشاہ کی خدمت میں تحفے بھیجے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب کا انتقال ہوگیا اور اس کے سترہ سال کے بعد دکن میں سلطنت آصفیہ قایم ہوئی تو سرنگاپٹم بھی سلاطین آصفیہ کے ماتحت آگیا۔ کیونکہ سلاطین آصفیہ دکن میں اورنگ زیب کے جانشین تھے۔

چک دیوراج ۱۱۱۶ھ ۱۷۰۴ء میں فوت ہوا۔ اس کے جانشین بہت کمزور تھے اور یہ اپنے وزرا کے ہاتھ میں کٹ پتلی ہو گئے یہ وزرا جو دلوائی کہلاتے ہیں جس کو چاہتے راجہ بناتے تھے چنانچہ چک دیوراج کا بیٹا کنتی ریو اور اس کے بعد اس کا بیٹا ڈ کرشنا دوم گدی نشین کیا گیا لیکن ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ء میں اس کو علحدہ کر دیا گیا اور شاہی خاندان کے ایک دور کے رشتہ دار کو جس کا نام چیامراج ہشتم ہے گدی نشین کر دیا۔ اس طرح ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ء میں پرانا خاندان ختم ہوگیا اور نیا خاندان شروع ہوگیا تین سال کے بعد چامراج علحدہ کیا گیا اور اس کی جگہ امادی کرشنا سوم نامی ایک اور بچے کو جس کی عمر صرف تین سال کی تھی گدی نشین کیا گیا جو ہمیشہ سے بے دست و پا رہا اسی کے عہد میں حیدر علی نے جو

معمولی سپاہی کی حیثیت میں نندراج وزیر کی فوج میں ملازم تھا مقتدر ہو گیا اور سنہ ۱۷۶۱ء ۱۱۷۵ھ میں میسور پر قابض ہو گیا۔
سنہ ۱۷۶۶ء ۱۱۸۰ھ میں امادی کرشنا فوت ہو گیا اس کے دو بیٹے ننج راجہ اور بٹاد چامراج نہم
بے دست و پا کر دئے گئے۔

اگرچہ حیدر علی خاں نے پرانے خاندان کا خاتمہ کر کے ایک نئے خاندان کے رکن کو جس کا نام کھاس چامراج دہم ہے راجہ بنایا تھا لیکن اس کے اختیارات نہ تھے۔ تمام سلطنت میسور حیدر علی کے ہاتھ میں آگئی جو اس کی کوششوں سے بہت پھیل گئی۔ انگریز کمپنی سے اس کی بہتیار لڑائیاں ہوئیں سنہ ۱۷۸۲ء ۱۱۹۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا فتح علی خاں جو ٹیپو سلطان کے نام سے مشہور ہے میسور کا بادشاہ ہوا یہ جنوب ہند کا ایک جلیل القدر حکمران تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میسور کی واقعی عظمت اسی مسلمان خاندان کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ لیکن ٹیپو سلطان سنہ ۱۷۹۹ء ۱۲۱۴ھ میں انگریزوں کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو گیا تو لارڈ ویلزلی نے جو اس زمانے میں ہندوستان کا گورنر جنرل تھا میسور کے حصے بخرے کر دئے ایک حصے پر جو اس وقت موجودہ ریاست میسور میں شامل ہے کھاس چامراج دہم کے بیٹے کو جس کا نام کرشن راجندر سوم ہے گدی نشین کر دیا۔ پورنیا اس کا وزیر تھا لیکن اس راجہ کے عہد میں بڑی بد انتظامی ہوئی چنانچہ سنہ ۱۸۳۱ء ۱۲۴۷ھ میں کرشنا کو گدی سے اتار گیا اور سنہ ۱۸۸۱ء ۱۲۹۹ھ میں کرشنا کے بیٹے چامراجندر یازدہم کو گدی نشین کیا گیا۔ راجہ چامراجندر کا سنہ ۱۸۹۴ء ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا اور موجودہ راجہ ہز ہائی نس سری کرشنا راجندر ودیار بہادر گدی نشین ہوئے اور سنہ ۱۹۰۲ء ۱۳۲۰ھ میں ان کو تمام اختیارات حکومت تفویض کیے گئے۔

---

(۱) وجئے یا یادو
۱۳۹۹ء تا ۱۴۲۳ء
۸۰۲ھ تا ۸۲۷ھ

چام راج

(۲) ہر بیٹڈ چام اول
۱۴۲۳ء تا ۱۴۵۸ء
۸۲۷ھ تا ۸۶۳ھ

(۳) تمّاراج اول
۱۴۵۸ء تا ۱۴۷۸ء
۸۶۳ھ تا ۸۸۳ھ

(۴) ہرے یا آریل چام دوم
۱۴۷۸ء تا ۱۵۱۳ء
۸۸۳ھ تا ۹۱۹ھ

(۵) بیٹڈ چام سوم
۱۵۱۳ء تا ۱۵۵۲ء
۹۱۹ھ تا ۹۶۰ھ

(۶) تمّاراج دوم
۱۵۵۲ء تا ۱۵۷۱ء
۹۶۰ھ تا ۹۷۹ھ

کرشناراج اول

(۷) بول چام چہارم
۱۵۷۱ء تا ۱۵۷۶ء
۹۷۹ھ تا ۹۸۴ھ

(۸) بیٹڈ چام پنجم
۱۵۷۶ء تا ۱۵۷۸ء
۹۸۴ھ تا ۹۸۶ھ

(۹) راجہ اوڈیراج
یا راجہ بھی تھی اس نے سرنگا پٹم پر قبضہ کیا
اور میسور کی راج دھانی قائم کی (۱۵۷۸ء تا ۱۶۱۷ء
۹۸۶ھ تا ۱۰۲۶ھ)

بیٹڈ چام ششم

دو چینا ئیا

(۱۲) کانٹھی راؤ نرسا اول
۱۶۳۸ء تا ۱۶۵۹ء
۱۰۴۸ھ تا ۱۰۷۰ھ

(۹) راجہ ادھیراج
موہن دیو
نرسا راج
تین لڑکے کمسنی میں مرگئے۔
(۱۱) امادی راج
۱۶۳۷ء تا ۱۶۳۸ء
۱۰۴۷ھ تا ۱۰۴۸ھ
(۱۰) چیام ہفتم
۱۶۱۰ء تا ۱۶۳۷ء
۱۰۲۸ھ تا ۱۰۴۴ھ
داردا دیو
چکّا دیو راجندر
(۱۳) کپا دیو
۱۶۵۹ء تا ۱۶۷۲ء
۱۰۷۰ھ تا ۱۰۸۳ھ
ماری دیو
(۱۴) چک دیو راج
۱۶۷۲ء تا ۱۷۰۴ء
۱۰۸۳ھ تا ۱۱۱۶ھ
کانتی راؤ نرسا دوم
(۱۵) کانتی راؤ نرسا سوم
۱۷۰۴ء تا ۱۷۱۳ء
۱۱۱۶ھ تا ۱۱۲۵ھ
(۱۶) د دکرشنا دوم
۱۷۱۳ء تا ۱۷۳۱ء
۱۱۲۵ھ تا ۱۱۴۴ھ

چامراج ہشتم

۱۷۳۱ء تا ۱۷۳۴ء

۱۱۴۴ھ تا ۱۱۴۷ھ

|

اماوی کرشنا سوم

۱۷۳۴ء تا ۱۷۶۱ء

۱۱۴۷ھ تا ۱۱۷۵ھ

نَنج راج	جنڈ چامراج نہم
۱۷۶۷ء / ۱۱۸۱ھ یہ محل سے نکال دیا گیا۔ اور سنہ ۱۷۷۰ء / ۱۱۸۴ھ میں فوت ہوا۔	۱۷۷۵ء / ۱۱۸۹ھ میں فوت ہوا

۱۷۳۱ء / ۱۱۴۴ھ میں قدیم خاندان بالکل ختم ہوگیا اس کے بعد میسور کی حکومت اس کے وزرا کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جس کو چاہتے راجہ بناتے تھے۔ چنانچہ پہلے چامراج ہشتم نامی ایک شخص کو جو قدیم شاہی خاندان کا ایک رشتہ دار تھا راجہ بنایا گیا تین سال کے بعد اس کو ہٹا کر ایک اور رشتہ دار اماوی کرشنا سوم کو گدی پر بٹھایا جس کو کوئی اختیارات نہ تھے۔ ۱۷۶۱ء / ۱۱۷۵ھ میں ایک اور انقلاب ہوگیا نواب حیدر علی خاں نے ان راجگان کو علیحدہ کر کے اپنے خاندان کی بنیاد ڈالی۔ حیدر علی خاں اور اس کے بیٹے فتح علی خاں ٹیپو سلطان نے ۱۷۹۹ء / ۱۲۱۴ھ تک میسور پر بادشاہی کی جو میسور کا تیسرا خاندان ہے

شجرہ

نواب حیدر علی خاں

۱۷۶۱ء تا ۱۷۸۲ء

۱۱۷۵ھ تا ۱۱۹۷ھ

|

فتح علی خاں ٹیپو سلطان

۱۷۸۲ء / ۱۱۹۷ھ — ۱۷۹۹ء / ۱۲۱۴ھ

کھاسں چام راج دہم

۱۷۷۵ء تا ۱۷۹۵ء

۱۱۸۹ھ تا ۱۲۱۰ھ

|

کرشن راجندر سوم

۱۷۹۹ء تا ۱۸۳۱ء

۱۲۱۴ھ تا ۱۲۴۷ھ

|

چام راجندر بازدہم (متبنیٰ بیٹا)

۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۴ء

۱۲۹۹ھ تا ۱۳۱۲ھ

ہز ہائی نس سری کرشن راجندر ودیار بہادر
(جی سی ایس آئی - جی بی ای)
والی میسور

ہز ہائی نس سری کانتی راؤ نرسمہا راج ودیار بہادر آنجہانی

شاہزادہ جے چام راج ودیار بہادر
ولیعہد میسور

کھاسں چام راج دہم کو حیدر علی نے برائے نام ۱۷۷۵ء (۱۱۸۹ھ) میں راجہ بنایا تھا جس کو قدیم خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہے کھاسں چام راج اور اس کے بیٹے کرشن راجندر سوم کو کوئی اختیارات نہ تھے کیونکہ اس زمانے میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان میسور میں مقتدر تھے۔ البتہ ٹیپو سلطان کے خاتمے کے بعد ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں انگریزوں نے کرشن راجندر سوم کو میسور کا راجہ بنایا تھا لیکن ۱۸۳۱ء (۱۲۴۷ھ) میں ملک کی بدانتظامی کی وجہ سے اس کو گدی سے اتار دیا گیا۔ اور میسور میں براہ راست انگریزی حکومت قائم ہوگئی۔ پھر ۱۸۸۱ء (۱۲۹۹ھ) میں معزول راجہ کے متبنیٰ بیٹے چام راجندر بازدہم کو راجہ بنایا گیا۔

یہ حصۂ سوم کا ضمیمہ ہے اس میں جنوب دکن کے ان چھوٹے خاندانوں کا حال اور شجرے درج ہیں جو پہلے صوبہ دار اور فوجدار تھے لیکن بعد کو نیم خود مختار ہو گئے۔ یہ سلاطین نہیں بلکہ نوابان کہلاتے ہیں۔ اس فہرست میں نوابان کرناٹک۔ کرنول۔ سدھوٹ اور شاہ نور شامل ہیں۔

---

(۲۲) نوابانِ کرناٹک (ارکاٹ)

۱۷۱۰ء تا ۱۸۵۵ء

۱۱۲۲ھ تا ۱۲۷۲ھ

جنوب دکن میں جو دریائے تنگبھدرا کے نیچے مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے اور کرناٹک کہلاتا ہے چند نواب خاندانوں نے حکومت کی جو پہلے صوبہ دار اور فوجدار تھے اور بعد کو خودمختار یا نیم خودمختار ہو گئے اس علاقے پر ایک زمانے میں سلطنت بیجانگر پھیلی ہوئی تھی لیکن جب سنہ ۱۵۶۵ء/۹۷۲ھ میں اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تو اس علاقے کو گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ سترھویں صدی کے اواخر میں شہنشاہ اورنگ زیب نے ان سلطنتوں کا خاتمہ کردیا تو جنوبی دکن بھی جو ان سلطنتوں کی عملداری میں تھا براہ راست مغل شہنشاہت میں آگیا۔ کیونکہ شہنشاہ اورنگ زیب کے جنرل قاسم خاں نے سنہ ۱۶۸۷ء/۱۰۹۸ھ میں کرناٹک بالاگھاٹ فتح کرلیا اور دوسرے مشہور جنرل ذوالفقار خاں نصرت جنگ نے سنہ ۱۶۹۱ء/۱۱۰۲ھ میں کرناٹک پائین گھاٹ مسخر کرلیا۔ کرناٹک بالاگھاٹ میں سدہوٹ۔ گنجی کوٹہ۔ گوتی۔ گرم کنڈہ۔ کھمم۔ بلاری۔ راننت پور اور مغربی علاقے کنارا۔ ملیبار کوچین وغیرہ داخل تھے اور پائین گھاٹ میں گنٹور نلور چنگل پیٹ مدراس جنوبی ارکاٹ بارہ محل سیلم کوئمتور شمالی ارکاٹ اور ویلور تھے۔ ان تمام علاقوں کے انتظام کے لیے

---

[1] یہ سواد تاریخ جنوب ہند مولفہ محمود خاں بنگلوری سے لیا گیا ہے۔

ایک بڑا صوبہ دار مقرر کیا گیا جس کا صدر مقام سیرا قرار دیا گیا جو بنگلور سے شمالی جانب ۷۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے[1]۔ پہلے قاسم خاں اور اس کے بعد ذوالفقار یہاں کے گورنر ہوئے ۱۷۰۳ء میں داود خاں گورنر مقرر رہا۔ چونکہ سیرا کے تحت بہت بڑا صوبہ تھا اس لیے مشرقی کرناٹک میں جس کو پائین گھاٹ کہا جاتا ہے چھوٹے گورنر مقرر کیے گئے جو سیرا کے ماتحت ہوتے تھے چنانچہ داود خاں نے اپنی طرف سے پائین گھاٹ کے انتظام کے لئے سعادت اللہ خاں کو مقرر کیا تھا۔ اس ذیلی صوبے کا صدر مقام پہلے جنجی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس کی آب وہوا ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ کر ارکاٹ اختیار کیا گیا چنانچہ اسی صدر مقام کی بدولت جو مدراس سے تقریباً ۷۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ چھوٹا صوبہ ارکاٹ ہی کہلاتا ہے اور یہاں کے صوبہ دار جو بعد کو سیرا کی گورنری سے علٰحدہ ہو گئے نوابانِ ارکاٹ کہلاتے ہیں۔ ان کی علٰحدگی کی وجہ یہ تھی کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جب جنوب میں شہنشاہیت کی طنابیں ڈھیلی ہو گئیں تو سیرا کی صدر گورنری بھی منتشر ہو گئی کیونکہ اول تو اس پر مرہٹوں کی یورشیں ہونے لگیں اور اس کے بعد نواب حیدر علی خاں والی میسور نے شمال میں بڑھ کر سیرا پر قبضہ کرلیا۔

---

[1] عادل شاہی کرناٹک بالاگھاٹ کا صدر مقام بھی یہی تھا اور بیجا پور کا گورنر رندولہ خاں یہیں رہتا تھا۔

۱۔ خاندان نوائط

۱۷۱۰ء تا ۱۷۴۳ء

۱۱۲۲ھ تا ۱۱۵۶ھ

ارکاٹ کا پہلا خاندان نوائط ہے جو سعادت اللہ خاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے سنہ ۱۷۱۰ء (۱۱۲۲ھ) سے اس صوبے پر خود مختارانہ حکومت کی اور اس کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے دوست علی خاں اور صفدر علی خاں اس کے جانشین ہوئے۔ لیکن صفدر علی خاں کے عہد میں آپس کی خانہ جنگی اور مرہٹوں کی یورشوں کی وجہ سے یہ کمزور ہو گئے۔ چنانچہ صفدر علی کو اس کی بہن نے زہر دے کر مار دیا اور مرہٹوں نے اس کے ایک بہنوئی حسین دوست خاں (چندا صاحب) کو قید کر دیا۔ اس زمانے میں سلطنت آصفیہ قائم ہو گئی تھی جس کے بانی حضرت مغفرت مآب آصفجاہ تھے۔ چونکہ کرناٹک بھی حیدرآباد کے ماتحت تھا اس لیے حضرت آصفجاہ نے سنہ ۱۷۴۳ء (۱۱۵۶ھ) میں اس صوبے کا دورہ کیا اور اس کے باضابطہ نظم و نسق کی خاطر ایک دوسرے شخص کو جس کا نام انورالدین خاں اور خطاب شہامت جنگ تھا اس کا گورنر مقرر کر دیا۔ انورالدین خاں گوپامو (خیرآباد) کے رہنے والے تھے اور نظام الملک کے ساتھ حیدرآباد آئے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۴۳ء (۱۱۵۶ھ) سے جب کہ انورالدین خاں کی گورنری شروع ہوئی نوائط کی جگہ دوسرا خاندان شروع ہو گیا جو خاندان انوری یا والاجاہی کہلاتا ہے کیونکہ بعد کو ان کا خطاب والاجاہی ہو گیا۔

۲۔ خاندان والاجاہی

۱۷۴۳ء تا ۱۸۵۵ء

۱۱۵۷ھ تا ۱۲۷۲ھ

جس زمانے میں نواب انور الدین خاں ارکاٹ کے گورنر ہوئے تھے مشرقی ساحلوں پر دو مغربی قومیں انگریز اور فرانسیسی اپنا اثر بڑھا رہی تھیں۔ چونکہ ان دونوں قوموں میں رقابت تھی اس لئے ان لوگوں نے ارکاٹ کے صوبہ دار کو اپنا دوست بنانے کی کوشش کی۔ تاکہ ان کی مدد سے ایک دوسرے کو نیچا دکھائیں۔ اتفاق یہ ہے کہ انور الدین خاں شہامت جنگ انگریزوں کے ہمدرد ہو گئے تو فرانسیسی جن کا رہنما اس زمانے میں ڈوپلے تھا ان کے مخالف ہو گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے انور الدین خاں کو مغلوب کرنے کے لئے کرناٹک کے قدیم خاندان کی تائید شروع کردی ۱۷۴۹ء ۱۱۶۲ھ میں انور الدین خاں اور ڈوپلے میں جس کے ساتھ چندا صاحب اور مظفر جنگ شریک تھے امبور کے مقام پر لڑائی ہو گئی۔ اس لڑائی میں انور الدین خاں مارے گئے اور ان کا بیٹا محمد علی والاجاہ انگریزوں کی پناہ میں چلا گیا۔ اگرچہ ۱۷۵۰ء ۱۱۶۴ھ میں ناصر جنگ نے فرانسیسیوں سے اس کا انتقام لینے کے لئے حملہ کر دیا لیکن وہ خود اس دار و گیر میں شہید ہو گئے۔ لیکن جب ۱۷۵۱ء ۱۱۶۵ھ میں محاصرہ ارکاٹ کے بعد انگریز فرانسیسیوں پر غالب آ گئے تو انھوں نے محمد علی والاجاہ کو کرناٹک کا نواب بنا دیا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ۱۷۶۵ء ۱۱۷۹ھ میں شاہ عالم سے فرمان لکھا کر کرناٹک کو حیدرآباد سے علیحدہ کر دیا۔ اس طرح کرناٹک کے نواب حیدرآباد سے علیحدہ ہو کر انگریزوں کے ماتحت ہو گئے۔

اگرچہ اس والاجاہی خاندان نے انگریزوں کی بہت مدد کی لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ۱۷۹۵ء/۱۲۱۰ھ میں محمد علی والاجاہ کا انتقال ہوگیا تو عمدۃ الامرا باپ کے جانشین ہوئے لیکن جب ۱۸۰۱ء/۱۲۱۶ھ میں یہ فوت ہوئے تو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے ان کے بیٹے علی حسین تاج الامرا کو چند شرائط کے ساتھ نواب بنانا چاہا جن کو انھوں نے منظور نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر جنرل ان کے چچازاد بھائی اعظم الدولہ کو نواب بنادیا جن کے اختیارات بہت کچھ سلب کر لیے گئے۔ ۱۸۱۹ء/۱۲۳۴ھ میں اعظم الدولہ کا انتقال ہو گیا ان کا بیٹا اعظم جاہ ان کا جانشین کیا گیا۔ جب ۱۸۲۵ء/۱۲۴۱ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے محمد غوث خاں بہت کم سن تھے یہ اپنے چچا اعظم جاہ کی ولایت میں نواب بنائے اور ۱۸۴۲ء/۱۲۵۸ھ میں ان کو اختیارات دے گئے۔ ۱۸۵۵ء/۱۲۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا تو نوابی اور اس کے اعزاز و مناصب بالکل ختم کر دیے گئے۔ اعظم جاہ اور ان کے جانشینوں کو صرف شاہزادۂ ارکاٹ کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اعظم جاہ کے دو بیٹے ظہیر الدولہ اور انتظام الملک یکے بعد دیگرے ان کے جانشین ہوئے اور ان کے بعد انتظام الملک کے بیٹے منور خاں نواب ہوئے اور اب ان کے بیٹے سر محمد علی خاں بہادر شاہزادۂ ارکاٹ ہیں۔

۱؎ یہ مواد دکھنی مخطوطات مؤلفہ نصیر الدین ہاشمی سے ماخوذ ہے۔

خاندان نوائط

۱۷۱۰ء تا ۱۷۴۳ء
۱۱۲۲ھ تا ۱۱۵۷ھ

(۱) سعادت اللہ خاں اول

شہنشاہ بہادر شاہ کی طرف سے نواب بنائے گئے۔
۱۷۱۰ء تا ۱۷۳۲ء
۱۱۲۲ھ تا ۱۱۴۵ھ

(۲) دوست علی خاں
۱۷۳۲ء تا ۱۷۴۰ء
۱۱۴۵ھ تا ۱۱۵۳ھ

باقر علی گورنر ویلور
۱۷۳۲ء
۱۱۴۵ھ

غلام مرتضیٰ علی گورنر ویلور

سعادت علی

اکبر محمد

حسین

(۳) صفدر علی
۱۷۴۰ء تا ۱۷۴۲ء
۱۱۵۳ھ تا ۱۱۵۵ھ

(۴) محمد سعید سعادت اللہ خاں ثانی
۱۷۴۳ء تا ۱۷۴۳ء
۱۱۵۵ھ تا ۱۱۵۷ھ

دختر زوجہ غلام مرتضیٰ علی

صاحبزادہ

دختر زوجہ محمد تقی

دختر زوجہ چندا صاحب
۱۷۴۹ء
۱۱۶۳ھ

راجہ صاحب
۱۷۵۹ء
۱۱۷۳ھ

خاندان والاجاہی
۱۷۴۳ء تا ۱۸۵۵ء
۱۱۵۷ھ تا ۱۲۷۲ھ

(۱) انورالدین خاں شہامت جنگ
۱۷۴۳ء تا ۱۷۴۹ء
۱۱۵۰ھ تا ۱۱۶۲ھ

محفوظ خاں — صوبے داری کے گورنر مقرر ہوئے
(۲) محمد علی خاں والاجاہ
۱۷۴۹ء تا ۱۷۹۵ء
۱۱۶۲ھ تا ۱۲۱۰ھ
عبدالرحیم
عبدالوہاب
نجیب اللہ

(۳) عمدۃ الامرا
۱۷۹۵ء تا ۱۸۰۱ء
۱۲۱۰ھ تا ۱۲۱۶ھ
علی حسین (تاج الامرا)

امیرالامرا
(۴) عظیم الدولہ
۱۸۰۱ء تا ۱۸۱۹ء
۱۲۱۶ھ تا ۱۲۳۴ھ

(۵) اعظم جاہ
۱۸۱۹ء تا ۱۸۲۵ء
۱۲۳۴ھ تا ۱۲۴۱ھ
(۷) نواب محمد غوث خاں
۱۸۴۲ء تا ۱۸۵۵ء
۱۲۵۸ھ تا ۱۲۷۲ھ

(۶) عظیم جاہ بہادر
"شہزادہ ارکاٹ"
۱۸۲۵ء تا ۱۸۴۲ء
۱۲۴۱ھ تا ۱۲۵۸ھ

ظہیرالدولہ — شاہزادہ ارکاٹ
انتظام الملک — شاہزادہ ارکاٹ
عمدۃ الدولہ
معزالدولہ
منور خاں — شاہزادہ ارکاٹ
میر محمد علی خاں — شاہزادہ ارکاٹ

(۶) عظیم جاہ بہادر اپنے بھتیجے نواب محمد غوث خاں کی کمسنی کے زمانے میں ان کے نائب سمجھے جاتے تھے لیکن محمد غوث خاں کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد علیحدہ ہو گئے البتہ محمد غوث خاں کے مرنے کے بعد یہ شاہزادہ ارکاٹ ہوئے تھے۔

[د]

(۲۳) نوابان کرنول (قمرنگر)

۱۶۵۲ء تا ۱۸۳۸ء

۱۰۶۲ھ تا ۱۲۵۵ھ
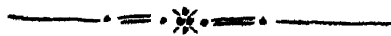
قمرنگر کرنول جس کے شمال میں تنگبھدرا اور جنوب میں کڑپا اور بلاری واقع ہیں اس وقت جنوب کا ایک بڑا ضلع ہے۔ قدیم زمانے میں یہ راجگان ورنگل کی عملداری میں تھا۔ لیکن جب چودھویں صدی عیسوی میں سلطنت بیجانگر قائم ہوگئی تو یہ اس جدید سلطنت کے تحت آگیا۔ جنگ تالیکوٹ کے بعد جو ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ میں واقع ہوئی تو بیجاپور کی سلطنت نے اس پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ مغلوں کی تسخیر تک یہ عادل شاہی سلطنت کا ایک صوبہ تھا اس کا پہلا قلعہ دار جو عادل شاہی سلطنت کی طرف سے مامور ہوا تھا عبدالوہاب نامی ایک حبشی بتایا جاتا ہے۔ اور ۱۶۵۲ء ۱۰۶۲ھ میں خضر خاں پنی لوٹے زئی کو یہ خدمت دی گئی[۱]۔ کرنول کے تمام نواب اسی خضر خاں کی اولاد میں سے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خضر خاں کے آباواجداد کو دکن سے پرانا تعلق ہے کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمود خاں محمود شاہ بہمنی کے عہد میں ورنگل کا میر لشکر تھا۔ غالباً اس خاندان کی ایک شاخ شمال چلی گئی اور مغل سلطنت کی ملازم ہوگئی۔ جب ۱۶۵۲ء ۱۰۶۲ھ میں شاہزادہ اورنگ زیب

---

[۱] بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے خضر خاں کو کرنول کی جاگیر دی تھی جو صحیح نہیں ہے اس زمانے میں کرنول بیجاپور کا صوبہ تھا۔ یہ خدمت محمد عادل شاہ والی بیجاپور کی طرف سے عطا ہوئی تھی۔

دکن کا ناظم ہو کر آیا تو خضر خاں بھی اس کے ہمراہ رکاب تھا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ بیجاپور کے
مشہور امیر بہلول خاں سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ چنانچہ آخر الذکر کی وساطت سے خضر خاں
عادل شاہی دربار میں داخل ہوگیا۔ اور بہت جلد بیجاپور کی وزارت اور کرنول کی جاگیر حاصل کی
لیکن جب ۱۶۸۶ء ۱۰۹۷ھ میں شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور تسخر کرلیا اور اس کے ساتھ کرنول
بھی مغل سلطنت میں داخل ہوگیا تو خضر خاں اور اس کی اولاد مغل شہنشاہیت کے سب تہہ
وابستہ ہوگئی۔ چنانچہ اس کا بیٹا داود خاں ذوالفقار خاں کی نیابت میں سراکا گورنر بنایا گیا
جو اس زمانے میں تمام جنوبی ہند کا مرکز قرار دیا گیا تھا۔ خضر خاں بدقسمتی سے اورنگ آباد میں
شیخ نہاج کے ہاتھ سے مارا گیا۔ داود خاں اس کا لائق جانشین تھا جس نے اپنے کارناموں سے
اپنے قبیلے اور خاندان کو دکن میں زندہ کر دیا۔ اس نے دکن اور جنوب ہند کے ایک بڑے حصے
کی صوبیداری کی۔ ارکاٹ کا تمام نظم ونسق اس کے سپرد تھا۔ اس نے بیجاپور میں تین سال
کرناٹک میں ۱۵ سال گجرات میں تین سال اور برہان پور میں چند مہینے صوبیداری کی تھی۔ چونکہ
حسین علی خاں امیر الامرا کے ساتھ اس کی ان بن ہوگئی اس لیے ۱۷۱۵ء ۱۱۲۷ھ میں برہانپور
میں حسین علی خاں کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا جو اس کی وفاداری کی بڑی دلیل ہے۔

چونکہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس کے دو بھائی سلیمان خاں اور ابراہیم خاں اس کے
جانشین ہوئے۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم خاں کو جو بہادر خاں کے خطاب سے مخاطب تھا اس
نے اپنا متبنیٰ بنالیا تھا۔ یہی سلیمان خاں اور ابراہیم خاں داود خاں کے بعد کرنول کے فوجدار
ہوئے تھے۔ ۱۷۲۰ء ۱۱۳۲ھ میں ابراہیم خاں کرنول کا فوجدار مقرر ہوا۔ اسی زمانے میں حضرت غفران مآب
نظام الملک نے دکن میں سلطنت آصفیہ قائم کرلی تو کڑپہ اور شاہنور کے ساتھ کرنول بھی براہ راست
سلطنت آصفیہ کے تحت آگیا۔ چنانچہ ابراہیم خاں حضرت غفران مآب کے سلام کے لیے اورنگ آباد

آیا تھا۔ اس نے کوئی ۱۴ سال کرنول کی فوجداری کی۔ اس کے بیٹے الف خاں کو غالباً ۱۷۳۵ء ۱۱۴۳ھ میں
حضرت آصفجاہ کی طرف سے کرنول کی سند ملی۔ چونکہ اس نے ناصر جنگ کی بغاوت میں حصہ لیا تھا
اس لئے مغفرت مآب چند روز اس سے ناراض رہے لیکن بعد کو معاف کر دیا۔ اس نے ۱۲ سال
کرنول کی فوجداری کی۔ اس کا بڑا بیٹا بہادر خاں (ہمت بہادر) ۱۷۴۳ء ۱۱۵۶ھ میں اپنے باپ کا جانشین
ہوا۔ جب مغفرت مآب کے انتقال کے بعد نواب ناصر جنگ دکن کے بادشاہ ہوئے تو فرانسیسیوں
کی سازش کی وجہ سے کرناٹک میں ایک سیاسی انتشار پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسیوں کے
مقابلے میں کرناٹک کے صوبیدار انورالدین خاں شہامت جنگ مارے گئے۔ ناصر جنگ فرانسیسیوں
کی سرکوبی کے لیے کرناٹک گئے تو ہمت بہادر بھی امداد کے لیے آیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ ناصر جنگ
کے خلاف فرانسیسیوں کے ساتھ مل گیا اور ناصر جنگ کو گولی مار دی۔ اگرچہ ناصر جنگ کی شہادت
سے دکن کو بہت نقصان پہنچا لیکن اس بیوفائی سے ہمت بہادر کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔
جب اس کی توقعات پوری نہیں ہوئیں تو رائچوٹی کے پاس مظفر جنگ سے جو ناصر جنگ کے جانشین
بنائے گئے تھے برسرپیکار ہو گیا۔ اس لڑائی میں نہ صرف مظفر جنگ مارے گئے بلکہ حیدرآبادی
سپاہیوں نے ہمت بہادر کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ہمت بہادر نے سات سال کرنول کی فوجداری کی تھی
اس پر طرہ یہ کہ جب صلابت جنگ دکن کے بادشاہ ہوئے تو کرنول کے فوجداروں سے انتقام لینے کیلئے
کرنول پر چڑھائی کی اور ان کو شکست دی۔ لیکن پھر اپنی مہربانی سے ہمت بہادر کے بھائی منور خاں کو
کرنول کی فوجداری بحال کر دی آخر منور خاں نے جس کا رستم خاں خطاب تھا ۴۱ سال فوجداری کی
اس کے دس بیٹے تھے اور منجملہ ان کے ابراہیم خاں سب سے بڑا تھا۔ لیکن دوسرا بیٹا الف خاں
ثانی ۱۷۹۱ء ۱۲۰۶ھ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ابراہیم خاں حضرت غفران مآب نواب نظام علیخاں
کے عہد میں حیدرآباد آ گیا اور خطابات اور جاگیروں سے سرفراز ہوا۔

میسور کے خاتمے کے بعد ۱۸۰۰ء (۱۲۱۵ھ) میں انگریزی حکومت نے کرپہ اور بلاری کے ساتھ کرنول بھی اپنی حکومت میں لے لیا اور کرنول کے نواب جو پیشکش حیدر آباد کو دیا کرتے تھے وہ انگریز حکومت کو دینے لگے۔ ۱۸۱۵ء (۱۲۳۰ھ) میں الف خاں ثانی کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے منور خاں کو نواب ہونا چاہیئے تھا لیکن اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر چھوٹا بھائی مظفر خاں نواب بن گیا لیکن انگریز حکومت نے مظفر خاں کو ہٹا کر پھر منور خاں کو نواب بنایا جس نے ۱۸۲۳ء (۱۲۳۹ھ) تک حکومت کی۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اس کا چھوٹا بھائی مظفر خاں مستحق تھا۔ لیکن وہ کرنول آتے ہوئے ایک ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ قلعہ ادھونی میں قید کر دیا گیا۔ اسی قید میں وہ ۱۸۷۹ء (۱۲۹۰ھ) میں مر گیا۔ یہاں کرنول میں اس کے چھوٹے بھائی غلام رسول خاں کو نواب بنایا گیا۔ جس نے اپنے ملک کو بہت فائدہ پہنچایا۔ مگر انگریزوں کو یہ شکایت تھی کہ اس نے حکومت کے خلاف کرنول میں بڑا مواد جمع کیا اور لڑائی کے لئے گولہ بارود تیار کی تھی۔ چنانچہ ۱۸۳۸ء (۱۲۵۵ھ) میں انگریزی فوج نے قلعہ کرنول پر دھاوا بول کر اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ اور غلام رسول خاں کو جو آخری نواب تھا ترچنا پلی میں قید کر دیا گیا۔ ان کے پسماندگان کو کچھ وظیفے مقرر کر دیے گئے۔ یہ وظائف اب بھی جاری ہیں۔

اس خاندان کی ایک شاخ جو الف خاں ثانی کے بڑے بھائی ابراہیم خاں کی اولاد ہے حیدر آباد میں موجود ہے۔ اور امارت اور جاگیروں پر فائز ہے کیونکہ جب الف خاں کرنول کے نواب ہو گئے تو ابراہیم خاں کرنول چھوڑ کر اورنگ آباد آگئے اور حضرت غفران مآب نواب نظام علیخاں کی بہت مدد کی۔ غفران مآب نے ان کو اعظم خاں روشن جنگ کا خطاب عطا کیا۔ اور جعفر آباد اور شاہ گڈہ کی جاگیریں دیں جو اس خاندان میں اب تک موجود ہیں ابراہیم خاں نے حضرت غفران مآب کے ساتھ حیدر آباد میں سکونت اختیار کی اور شہر کے باہر اپنے خاندانی نام سے نصرت پورہ آباد کیا

جس کے آثار اب تک موجود ہیں ۔ ان کے دو بیٹے تھے ۔ ایک داود خاں اور دوسرے خضر خاں تھے داود خاں کی اولاد میں نواب دوست محمد خاں صاحب اور خضر خاں کی اولاد میں نواب بہبود علی خاں صاحب اور ان کے دوسرے بھائی موجود ہیں اور موروثی جاگیروں سے استفادہ کرتے ہیں ۔
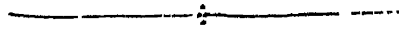
ل
نوابان کرنول کی تحقیق میں تذکرۃ البلاد والحکام مولفہ حسین علی کرمانی کے علاوہ نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار سے بہت مدد ملی جو اس خاندان کے بڑے رکن ہیں ۔ نواب صاحب کو اپنے خاندان کے تاریخی حالات سے اچھی واقفیت ہے اور مختلف ماخذوں کو جمع کرکے نوابان کرنول کی ایک مبسوط تاریخ بھی لکھوائی ہے جو عنقریب شائع ہوگی ۔

(۱) خضر خاں پنی

۱۶۵۲ء — ۱۶۰۵ء میں مارے گئے۔
۱۰۶۲ھ — ۱۰۰۶ھ

- (۲) داود خاں
  ۱۷۱۵ء
  ۱۱۲۷ھ میں مارے گئے۔
- (۳) سلیمان خاں
- (۴) ابراہیم خاں
  ۱۷۲۱ء تا ۱۷۳۵ء
  ۱۱۳۶ھ تا ۱۱۴۳ھ
  - (۶) الف خاں
    ۱۷۳۵ء تا ۱۷۴۳ء
    ۱۱۴۳ھ تا ۱۱۵۶ھ
    - (۷) بہادر خاں (ہمت بہادر)
      ۱۷۴۳ء تا ۱۷۵۰ء
      ۱۱۵۶ھ تا ۱۱۶۴ھ
    - (۸) منور خاں (دست خاں)
      ۱۷۵۰ء تا ۱۷۹۱ء
      ۱۱۶۴ھ تا ۱۲۰۷ھ
      - ابراہیم خاں (اعظم خاں روشن جنگ)
        - داود خاں
          نوابان کرنول مقیم حیدرآباد
          تا
          نواب دوست محمد خاں صاحب جاگیردار
        - خضر خاں
          نوابان کرنول مقیم حیدرآباد
          نواب بہبود علی خاں صاحب جاگیردار
      - (۹) الف خاں ثانی
        ۱۷۹۱ء تا ۱۸۱۵ء
        ۱۲۰۷ھ تا ۱۲۳۰ھ
        - منور خاں ثانی
          ۱۸۱۵ء تا ۱۸۲۳ء
          ۱۲۳۰ھ تا ۱۲۳۹ھ
        - مظفر خاں
          ۱۸۲۹ء میں فوت ہوا
          ۱۲۹۷ھ
        - غلام رسول خاں
          ۱۸۲۳ء تا
          ۱۲۳۹ھ تا

(۲۴) نوابان سدھوٹ (کڑپہ)

۱۷۰۸ء تا ۱۷۷۷ء

۱۱۱۹ھ تا ۱۱۹۱ھ

کڑپہ احاطۂ مدراس کا ایک بڑا ضلع ہے جس کے شمال میں کرنول مشرق میں نیلور اور جنوب میں ضلع ارکاٹ واقع ہیں اس کا صدر مقام جو ایک قصبہ ہے اسی نام سے موسوم ہے لیکن اس کا پرانا صدر مقام سدھوٹ تھا جو کڑپے سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چنانچہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں جن لوگوں نے یہاں حکومت کی تھی وہ نوابان سدھوٹ کہلاتے ہیں۔ جب تک جنوب میں سلطنت بیجانگر کا سکہ رواں تھا کڑپہ اسی سلطنت کی عملداری میں تھا لیکن جب جنگ تالیکوٹ کے بعد اس پر چند مسلمان سردار قابض ہو گئے جو قطب شاہی سلطنت کے ماتحت تھے ۱۶۴۲ء / ۱۰۵۲ھ کے لگ بھگ اس پر مرہٹے چھاپہ مارنے لگے اور سیواجی نے اس کو لوٹ کی۔ لیکن سترھویں صدی کے آخر میں گولکنڈہ اور بیجاپور کا خاتمہ ہو گیا تو یہ جنوبی علاقہ بھی مغل سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اور مغل حکومت نے یہاں اپنی طرف سے فوجدار مقرر کیے جو بعد کو خود مختار ہو گئے۔

مغل حکومت نے ایک افغان خاندان کو کڑپے کی فوجداری سپرد کی تھی جو بہلول خاں شاہ نوری کی اولاد میں سے تھا۔ اور اتفاق یہ ہے کہ اس خاندان کے بعض افراد کچھ پہلے یہاں حکمراں ہو چکے تھے۔ بہلول خاں بیجاپور کا امیر تھا جس کی اولاد میں نبی خاں عرف نمست خا

بھی مشہور ہوا ہے۔ اس کے دو بیٹے اعظم خاں اور عبدالکریم خاں علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں بیجاپور سے منحرف ہو کر مغل سلطنت سے مل گئے۔ اور ایک بیٹا عبدالرحیم خاں قطب شاہی سلطنت کا ملازم ہو گیا آخر الذکر نے عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں اکثر معرکوں میں حصہ لیا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا نیکنام خاں قطب شاہی فوج کا افسر ہوا اور میر جملہ کے ساتھ بالاگھاٹ کی لڑائیوں میں شریک رہا اور کرناٹک میں اس کو جاگیریں بھی ملیں۔ اسی نے گنجی کوٹہ۔ بدویل اور صدر مقام سدھوٹ فتح کیے تھے اور سدھوٹ کو اپنا صدر مقام بنایا تھا اور اس کے قریب اپنے نام سے ایک نیا قصبہ آباد کیا تھا جو نیکنام آباد کہلاتا ہے۔ سدھوٹ اسی کے زمانے سے کڑپے کا صدر مقام ہو گیا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو داود خاں نے جو جنوب کا مغل صوبہ دار تھا اس کے بھانجے لعل خاں کو سدھوٹ کا قلعہ دار مقرر کیا تھا۔

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں میں جو خانہ جنگی ہوئی تو اعظم خاں اور عبدالکریم خاں نے بہت حصہ لیا اور لڑائی میں مارے گئے۔ چنانچہ ان خدمات کے صلے میں بہادر شاہ اول نے عبدالکریم خاں کے بیٹے عبدالنبی خاں کو ۱۷۰۷ء ۱۱۱۹ھ میں سدھوٹ بطور جاگیر عطا کی۔ چنانچہ عبدالنبی خاں نے سدھوٹ اور کڑپہ کو بہت ترقی دی اور اس کو تمدن سے سنوارا۔ ۱۷۱۴ء ۱۱۲۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بڑا بیٹا عبدالمجید خاں اس کا جانشین ہوا اگرچہ یہ نابینا تھا لیکن اس نے کڑپے میں خاطر خواہ حکومت کی۔ اور جب مغفرت مآب نظام الملک اورنگ آباد آئے تو ان کی اطاعت اختیار کر لی اور شکر کھیڑا کی لڑائی میں ان کا ساتھ دیا ۱۷۲۴ء ۱۱۳۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بھائی عبدالحمید خاں اس کا جانشین ہوا۔ اگرچہ اس نے ناصر جنگ کی بغاوت میں حصہ لیا تھا تاہم نظام الملک نے چشم پوشی کی ۱۷۴۶ء ۱۱۵۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے دوسرے بھائی محسن خاں نے اس کی جگہ لی۔ اگرچہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں ناصر جنگ کی

امداد کے لیے کرناٹک گیا تھا لیکن جب ناصر جنگ شہید ہو گئے تو یہ اونٹ پر فرار ہو گیا۔ اس کے بد دل امرا نے اس کو گرفتار کر کے عبد الحمید خاں کے بیٹے عبد المجید خاں کو نواب بنا دیا تھا لیکن یہ مرہٹوں سے لڑکر مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد پھر محسن خاں نواب ہو گیا۔ اس کی اولاد نہ تھی اس لئے اس کے بعد عبد المجید خاں کا بیٹا عبد الحکیم خاں اس کا جانشین ہوا لیکن ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۱ء میں حیدر علی والی میسور نے سدھوٹ پر قبضہ کر لیا اور عبد الحلیم خاں گرفتار ہو گیا۔ اس کی جگہ رضا علی خاں سدھوٹ کا قلعہ دار بنایا گیا تھا۔

حیدر علی کے انتقال کے بعد دربار حیدر آباد نے اس کو اپنے تصرف میں لینا چاہا چنانچہ ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲ء میں ایک معاہدے کی رو سے جو مغفرت مآب نظام علی خاں اور ٹیپو سلطان کے مابین طے ہوا تھا کڑپہ حیدر آباد کو مل گیا لیکن حضرت غفران مآب نے یہ خطہ فرانسیسی افسر موسیو ریمو کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کی آمدنی سے فرانسیسی فوج کے اخراجات پورے کرے۔ لیکن اس انتظام سے انگریز بہت پریشان ہوئے کیونکہ اس زمانے میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں بے حد رقابت تھی۔ ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء میں جب میسور کا خاتمہ ہو گیا تو حیدر آباد نے انگریزی فوج کے مصارف کی پابجائی کے لیے جو حیدر آباد میں متعین تھی کڑپا انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء سے کڑپہ انگریزی عملداری ہی میں آ گیا۔

سدھوٹ کے حالات تذکرۃ البلاد و الحکام مولفہ حسین علی سے ماخوذ ہیں۔ "دکنی مخطوطات" مولفہ ہاشمی صاحب سے بھی استفادہ کیا گیا۔
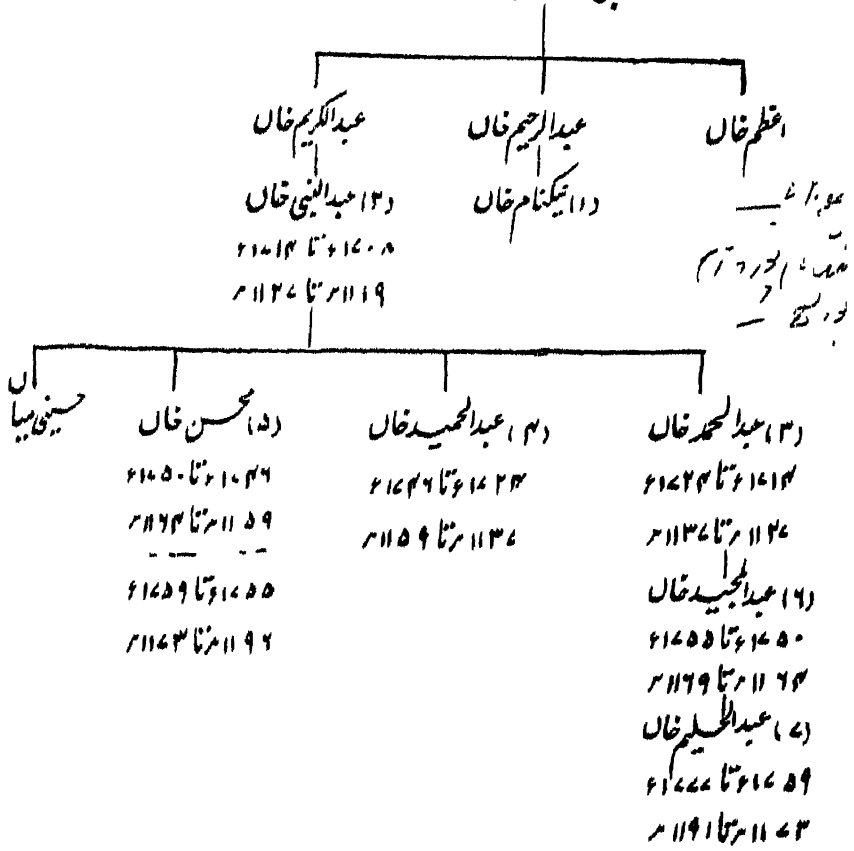
نیکنام خاں کی تاریخ ابتدائے حکومت اور وفات معلوم نہ ہو سکی اس کے بعد اس کا ایک بھانجہ لعل خاں بھی سدہوٹ کا قلعہ دار ہوا تھا۔ شجرے میں اس کا نام نہیں ہے۔ نمبر (۵) محسن خاں نے دو مرتبہ حکومت کی۔ ۱۷۵۰ء/۱۱۶۴ھ میں اس کو امرائے سدہوٹ نے قید کر دیا اور اس کے بھتیجے عبدالمجید خاں کو مسند نشین کیا تھا عبدالجبید خاں کے انتقال کے بعد جو ۱۷۵۵ء/۱۱۶۹ھ میں ہوا تو یہ پھر نواب بنایا گیا اور ۴ سال حکومت کی۔ بالآخر ۱۷۷۹ء/۱۱۹۱ھ میں حیدر علی والیٔ میسور نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

(۲۵) نوابان ساونور (شاہ نور)

۱۶۶۰ء تا ۱۸۰۰ء

۱۰۷۱ھ تا ۱۲۱۵ھ
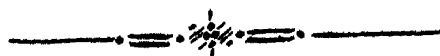
شانور ضلع دہارواڑ میں ایک چھوٹی ریاست ہے۔ سترھویں صدی کے اواخر تک یہ ضلع بیجاپور کے زیر نگیں تھا اس پر ایک پٹھان خاندان حکمران ہے جو پہلے عادل شاہی سلطنت کے ماتحت تھا۔ اس خاندان کے افراد پہلے اس کے جاگیردار تھے لیکن بیجاپور کے خاتمے اور مغل سلطنت کے زوال کے بعد یہ نیم خود مختار ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ لوگ ایک عادل شاہی امیر جاں نثار خاں کی اولاد سے ہیں۔ لیکن مقامی تاریخ پر اعتماد کیا جائے تو یہ لوگ عبدالکریم خاں میانہ کی اولاد سے ہیں جو شمالی ہند میں متوطن تھا[1]۔ اس کی بیسویں پشت میں بہلول خاں بتایا جاتا ہے وہ علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں شمالی ہند کو چھوڑ کر بیجاپور آگیا اور عادل شاہی سرپرستی میں یا م ترقی پر پہنچ گیا اور بنکاپور کی جاگیر حاصل کی اس کا بیٹا اور پوتا عبدالرحیم خاں اور عبدالکریم خاں تھے۔ بڑا بیٹا عبدالنبی خاں تھا جو کڑپے کا ناظم ہو گیا اور چھوٹا بیٹا عبدالروف خاں بیجاپور کے خاتمے کے بعد مغل سلطنت کا ملازم ہو گیا

---

[1] تذکرۃ البلاد والحکام میں جاں نثار خاں بتایا گیا ہے۔ لیکن تاریخ دلیر جنگی میں جو شاہ نور میں لکھائی گئی ہے۔ عبدالکریم میانہ کا نام ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ تذکرۃ البلاد کے اور بیانات بھی مختلف ہیں جو تاریخ دلیر جنگی میں نہیں پائے جاتے

شہنشاہ اورنگ زیب نے اس کو دلیر جنگ کا خطاب دیا جو خاندانی خطاب ہو گیا اور بنکا پور کی جاگیر بحال کی۔[۱] ۱۷۱۹ء (۱۱۳۲ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے کئی بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا عبدالفتاح خاں اس کا جانشین ہوا لیکن یہ جب چند مہینوں میں مر گیا تو اس کا بھائی عبدالمجید خاں نواب بنا۔ چھ مہینے کے بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا تو اس کا دوسرا بھائی عبدالغفار مسند نشین ہوا۔ جس نے ۱۷۲۵ء (۱۱۳۸ھ) تک بنکا پور پر حکومت کی۔ حسین علی خاں امیر الامرا نے اس کو بنکا پور کی مسند عطا کی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالمجید خاں ثانی اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں دکن میں سلطنت آصفیہ قائم ہو گئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس نے حضرت مغفرت مآب نواب نظام الملک کی اطاعت اختیار نہیں کی تو اس کے پاداش میں مغفرت مآب نے اس پر حملہ کر دیا تھا لیکن الف خاں نواب کرنول کی سفارش سے معاف کر دیا اور دو لاکھ روپے نذرانہ اور تحائف لے کر واپس ہو گئے۔ جب ۱۷۴۳ء (۱۱۵۶ھ) میں مغفرت مآب کرناٹک کے بندوبست کے لیے آ گئے تو یہ ان کے ہمراہ رکاب تھا اور جب نواب ناصر جنگ نے کرناٹک میں فرانسیسیوں پر حملہ کر دیا تو یہ بھی نواب کی امداد کے لیے آیا تھا۔ ۱۷۵۴ء (۱۱۶۸ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا عبدالحکیم خاں اس کا جانشین ہوا اس کے عہد میں شاہ نور پر میسور کے متعدد حملے ہوئے لیکن مرہٹوں کے بیچ میں آنے کی وجہ سے ۱۷۸۶ء (۱۲۰۱ھ) میں ٹیپو سلطان نے اپنی فوجیں ہٹا لیں اور شاہ نور بچ گیا۔ ۱۷۹۳ء (۱۲۰۸ھ) میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بائیس بیٹے تھے اس کا بڑا بیٹا ابوالخیر خاں مسند نشین ہوا اسی کے عہد میں انگریزوں نے میسور کا

---

[۱] تذکرۃ البلاد کی روایت کے مطابق علی عادل شاہ ثانی نے بہلول خاں کو بنکا پور کی جاگیر دی تھی غالباً یہی روایت صحیح ہے گو تاریخ دلیر جنگی کا مولف اورنگ زیب کا عطیہ لکھتا ہے بہلول خاں نے بنکا پور سے قریب شاہ نور کے نام سے ایک نیا قصبہ آباد کیا جس کا اصل نام چادنور تھا۔

خاتمہ کر دیا تو ۱۸۱۰ء ۱۲۲۵ھ میں کڑپہ اور کرنول کے ساتھ شاہ نور بھی انگریزوں کی عملداری میں آگیا۔ ابوالخیر خاں ۱۸۲۸ء ۱۲۴۳ھ میں نواب ہوا اس کے بعد عبدالفیاض خاں اور منور خاں اور دلیر خاں دلیر جنگ مسند نشین ہوئے اور ان کے جانشین اب تک شاہ نور میں حکمراں ہیں۔

---

(۱) بہلول خاں میانہ

۱۶۶۰ء

۱۰۷۰ھ

(۲) عبدالرحیم خاں

(۳) عبدالکریم خاں

عبدالنبی خاں

(۴) عبدالروف خاں دلیر جنگ

۱۷۱۹ء

۱۱۳۳ھ

(۵) عبدالفتاح خاں

۱۷۱۹ء

۱۱۳۲ھ

چند مہینے کے بعد مر گیا

(۶) عبدالمجید خاں

۱۷۱۹ء

۱۱۳۲ھ

چند مہینے کے بعد مر گیا

(۷) عبدالغفار خاں

۱۷۱۹ء تا ۱۷۲۵ء

۱۱۳۲ھ تا ۱۱۳۸ھ

(۸) عبدالمجید خاں ثانی

۱۷۲۵ء تا ۱۷۵۴ء

۱۱۳۸ھ تا ۱۱۶۸ھ

(۹) عبدالحکیم خاں

۱۷۵۴ء تا ۱۷۹۳ء

۱۱۶۸ھ تا ۱۲۰۸ھ

(۱۰) ابوالخیر خاں

۱۷۹۳ء تا ۱۸۲۷ء

۱۲۰۸ھ تا ۱۲۴۳ھ

بودہ نوابان

اتا دوم (مشرقی چالوکیہ) ۳۴ گوراکرشنا) ۲۶

اشاریہ

ا

چ

ح

اس اشاریہ کی ترتیب مولوی سلیمان ادیب صاحب نے کی ہے جس کیلئے ان کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

پروفیسر عبدالمجید صاحب صدیقی کی دوسری تصنیف
تاریخ گولکنڈہ مبصرین کی رائیں

علاوہ مقدمہ کے کتاب پانچ حصوں پر منقسم ہے پہلے حصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دکن کے اس حصہ میں سلطنت کا آغاز کیونکر ہوا دوسرے حصے میں اس کے استحکام اور تیسرے میں اس کے عروج سے بحث کی گئی ہے چوتھا حصہ زوال سے متعلق ہے اور پانچویں میں گولکنڈہ کی تمدنی سیاسی و علمی تاریخ بیان کی گئی ہے عمارات و سلاطین قطب شاہی کی گیارہ تصاویر بھی شامل ہیں کتاب بہت مفید اور تاریخ دکن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے!

مولانا نیاز فتحپوری۔ نگار مئی [illegible]

---

(۲)

یہ قطب شاہی دور حکومت کی مفصل تاریخ ہے جس کو مرتب نے پانچ حصوں میں منقسم کیا ہے۔ حصہ اول میں سلطنت کی تاسیس حصہ دوم میں سلطنت کے استحکام حصہ سوم میں سلطنت کا عروج حصہ چہارم میں سلطنت کا زوال حصہ پنجم میں گولکنڈہ کے تمدن پر سیر حاصل بحث موجودہ تحقیق و تلاش کی روشنی میں کی گئی ہے اور حصوں کو مختلف ابواب میں تقسیم کرکے تاریک سے تاریک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے اردو زبان کی مروجہ تاریخوں میں اس تاریخ کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ اس دور کی معاشرت اور حالت کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ قطب شاہی دور حکومت کا ذکر تاریخ میں لکھنے والوں نے بہت مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کی ایک وسیع تاریخ ہے جس کے ہر مد و جزر میں تمدن کی بڑی بڑی حقیقتیں پوشیدہ ہیں جس کا خوشگوار تمدن دو سو سال تلنگانے کے رہنے والوں کو گرویدہ کئے ہوئے تھا۔ قابل اور لائق مرتب نے اردو زبان میں گولکنڈہ کی جامع اور مفصل تاریخ لکھ کر بڑا احسان کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کے مطالعے سے بہت محظوظ ہوں گے۔

رہنما مراد آباد اپریل [illegible]

(۳)

ہ جند گولکنڈہ کو ہندوستانی تاریخ میں زیادہ اہمیت نہیں دی گئی لیکن وہ اپنے دور اقتدار سے

دور زوال تک علوم وفنون تمدن ومعاشرت اور حکومت وثروت کی آماجگاہ بنا رہا

اس تاریخ کے جستہ جستہ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گولکنڈہ نے اپنے عروج کے زمانے میں دکن کی خوابیدہ

سلطنتوں کو جگا دیا اور تہذیب وتمدن کو پھیلا دیا۔ اس سلطنت کی تاسیس اور تعمیر ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہوئی

تھی جو بڑے تمدن کے حامل تھے۔ چنانچہ انھوں نے ملک میں بہترین تمدنی ذخائر جمع کئے۔ اسلامی علوم وفنون کے

ساتھ اردو وتلنگی زبان کی اس طرح خدمت کی کہ گویا یہ ان کی زبان ہے۔ ادب وشعر کی بھی اس دور میں بڑی خدمت کی گئی۔

کتاب کو زیادہ سے زیادہ تحقیق وتجسس سے لکھا گیا ہے گیارہ تصویریں بھی ہیں۔ غرض یہ گولکنڈہ کی

مبسوط تاریخ ہے جو اردو میں ایک بہترین اضافہ ہے۔ شاعر آگرہ مئی ۱۹۴۰ء

اُردو مثنوی کا ارتقا از پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری

مصنف نے کتاب کو مختلف ابواب میں منقسم کر کے مثنوی کا درجہ اس کے ابتدائی اور متوسط اور جدید دور پر

جامع اور مفصل بحث کی ہے اور سابق بادشاہوں کے عہد میں ان کی ارتقائی کیفیات کو مثالیں دے کر سمجھایا ہے

یہ ایسی جامع اور مکمل تصنیف ہے جس کا مطالعہ ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اس کے

لائق اور قابل مصنف اپنی تحقیق وتفحص کے لئے قابل صد ستائش ہیں۔

رہنما مراد آباد اپریل ۱۹۴۲ء

(۲)

صنف شعر میں مثنوی کو جو درجہ حاصل ہے اور خیالات کو پر اثر طریقے پر پیش کرنے کی صلاحیت جتنی

مثنوی میں ہے اس سے اہل علم اچھی طرح واقف ہیں۔ اردو شاعری میں مثنوی نے اتنا عروج نہیں پایا جتنا غزل،

رباعی، مخمس اور مسدس وغیرہ نے لیکن پھر بھی اردو شاعری کا خزانہ قدیم وجدید مثنویوں سے بیش از بیش مالا مال ہے

میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر ہندوستان میں ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کا عروج نہ ہوتا تو مثنوی اب بھی اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ جلوہ گر رہتی کیونکہ اس میں ان تینوں کے اجزا شامل ہیں۔ موجودہ دور کے شعراء بھی جدید مثنوی کی طرف سے بے خبر نہیں ہیں لیکن انھوں نے مثنوی کو اختصار کی حدود تک پہنچا دیا ہے۔ البتہ حقائق، معارف، فلسفہ، الہیات، وطنیت، قومیت اور سیاست اب مثنوی کی جولانگاہ ہو کر رہ گئے ہیں۔

مثنوی سے متعلق ابھی تک کوئی تفصیلی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی جس کی کمی کا احساس تھا۔ اس کتاب میں مثنوی کی تاریخ پر اکثر و بیشتر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں مثنوی کی ابتدا سے موجودہ دور تک جتنی تصانیف ہیں ان پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے جہاں اپنی ذہنی معلومات کو پیش کیا ہے وہاں قدیم مثنویوں سے حوالے بھی دیئے ہیں اور بارہ عنوانات کے تحت مثنوی کی پوری تاریخ قلمبند کر دی ہے۔ فی الحقیقت یہ تصنیف جدید کارآمد و مفید

شاعر آگرہ مئی ۴۲ء

۳

جناب عبدالقادر سروری ایم اے کی تصنیف ہے جس میں ابتدا سے اس وقت تک مثنوی کے تدریجی ارتقا پر بحث کی گئی ہے۔ فہرست مضامین یہ ہے: مثنوی کا درجہ اصناف شعر میں، اردو مثنوی کے اولین نمونے، طویل تر مثنویاں، قدیم مثنوی کا سنہرا زمانہ، بیجاپور کی مثنویاں، مغلیہ عہد کی مثنویاں، وسط ہند کی ابتدائی مثنویاں، دور متوسط میں مثنوی کی ترقی، مثنوی دور جدید میں، کتاب بہت مفید اور کارآمد ہے۔

نگار مئی ۴۲ء

۴

مثنوی ہماری شاعری کی ایک اہم صنف ہے، جس میں اردو کے اکثر و بیشتر شعرا طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں جناب عبدالقادر سروری ایم اے نے اردو مثنوی کے ارتقائی مدارج کو وضاحت کے ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ جابجا انھوں نے چند مطبوعہ قدیم مثنویوں کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں جن کے مطالعہ سے اردو زبان کی عہد بہ عہد تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

پوری کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ قدیم دور کی مثنوی نگاری پر مختلف عنوانات کے تحت سیر حاصل بحث

کرنے کے بعد آخری باب میں مثنوی کے ظاہری نغیر و تبدیل کے ساتھ ساتھ اس کی معنویت کے ترقی پرور رجحانات پر مختصر مگر جامع تنقید کی گئی ہے، اس ضمن میں آزاد کی "موسم زمستان شب قدر، ابر کرم" حالی کی "برکھا رت" شکوۂ ہند، چپ کی داد، اسمٰعیل میرٹھی کی "خدا کی تعریف" اسلم کی بلی، شوق قدوائی کی "حسن" ترانۂ شوق اور عالم خیال صوفی شاد کی جلوۂ گرشن، بے نظیر شاہ کی "الکلام" حفیظ جالندھری کی "شاہنامۂ اسلام" اور اقبال و جوش کی طرز میں لکھی ہوئی نظموں پر روشنی ڈال کر فاضل مصنف نے اس کتاب کی افادیت میں خاص طور پر اضافہ کر دیا ہے امید ہے کہ صاحب ذوق حضرات اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔ سہیل گیا مئی ۱۹۴۰ء

روح غالب از ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور

عطر ساز و خوشبو فروش۔ روح خس۔ روح گلاب۔ کشید کیا کرتے ہیں۔ آپ نے روح غالب سے مشام سخن کو معطر کر دیا۔ سبحان اللہ بارک اللہ۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اگست ۱۹۳۹ء

—۲—

جامعۂ عثمانیہ کے استاد اردو۔ ڈاکٹر زور کے نام سے اب حلقہ اردو خاصہ روشناس ہو چکا ہے۔ روح غالب انہیں کے تازہ زور قلم کا نتیجہ ہے۔ غالب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان پر اب تک کتابیں خاصی کثرت سے لکھی جا چکی ہیں۔ اور شاعری سے قطع نظر ان کی نثر کی ادبیت پر بھی (ایک انگریزی محاورہ کا ترجمہ اگر جائز ہو) اچھی خاصی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ "زور صاحب نے صرف یہ کیا ہے کہ غالب کے اردو مکتوبات کے دلچسپ ادبی حصوں کا انتخاب کر لیا ہے اور شروع کے پچاس ساٹھ صفحوں میں حیات غالب کی ایک چلتی ہوئی سرگزشت دیدی ہے۔ اور ان کے کارناموں پر ایک سرسری تبصرہ شامل کر دیا ہے۔ یہی باتیں اور لوگوں نے بھی پھیلا کر لکھی ہیں لیکن زور صاحب کے یہاں کچھ دلکشی ہی اور ہے۔ صدق لکھنؤ اگست ۱۹۳۹ء

—۳—

"روح غالب" بڑی محنت اور بالغ نظری سے مرتب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر زور جیسے نقاد سے امید بھی ایسی ہی تھی۔ یہ پوری کتاب نثر میں ہے جس کا غالب کی شاعری سے مطلق تعلق نہیں اس میں غالب کی مکمل سوانح حیات ان کی تقریظیں، تنقیدیں اور ان کے کلام کی شرح لکھنے والوں پر تبصرہ ان کے کلام کی اشاعت کی تفصیل غالب کی

نثر کی تصانیف۔ غالب کے اعزا اور احباب اور خاندانی شجرہ کو بالکل نئے اسلوب سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کتاب کا اصل حصہ شروع ہوتا ہے جس میں مرزا غالب کے اردو خطوط سے دلچسپ ٹکڑے اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ وہ ٹکڑے ہیں جن کو علمی و فنی بحث سے کوئی تعلق نہیں اس لئے نہ ایسے حصے محققین فن کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں بلکہ دلدادگان ادب کے لئے جو حلاوت، زبان کی پاکیزگی اور اسلوب کی شگفتگی پر مرتے ہیں۔ روح غالب یقیناً ایک عمدہ اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

شاعر آگرہ اگست ۳۹ء

(۴)

جناب مرتب نے شاعر کے حالات پر جامعیت اور خوبی کے ساتھ تعلیقہ فرمائے ہیں اس کی مثال شاعر کی کسی دوسری سوانح عمری میں نہیں ملتی۔ غالب کی فارسی اور اردو تصانیف کا تذکرہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا اندراج بغیر تاریخ دکن (تاریخ ادب اردو) کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے نہایت مفید چیز ہے۔ شاعر کے خاندان اور ان کے سسرالی اقارب کے دو شجرے غالباً اس کتاب میں پہلی دفعہ شائع ہوئے ہیں یہ بھی خاص معلومات کی چیزیں ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے خطوط غالب کے ادبی حصوں کا نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انتخاب کیا ہے گویا کہ نفیس و دلچسپ ادب پاروں کا ایک دلفریب خوش رنگ گلدستہ بنا کر پیش کیا ہے۔ غالب کے خطوط سے علمی و فنی باتوں کو الگ کر دینے کے بعد یہ مجموعہ اس قدر دلچسپ بن گیا ہے کہ جس کا اندازہ ان کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

غرض اس کتاب میں ہمارے ملک کے قابل فخر و مایۂ ناز مصنف ڈاکٹر زور نے غالب کی نثر اردو کی روح نکال کر رکھ دی ہے ہماری رائے میں یہ کتاب لطیف۔ پاکیزہ ادبی ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ اس نفیس اور خوبصورت ادبی پیشکش کی ایک جلد ضرور ان کی میز پر رہنی چاہیئے

ادارہ ادبیات اردو نے یہ کتاب شائع کرکے اردو ادب کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

مشیر دکن اگست ۳۹ء

جملہ کتابوں کے ملنے کا پتہ

سب رس کتاب گھر۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز
حیدرآباد دکن